TAMEER-E-HAYAT • ISSN 2582-4619 - VOL 57 - ISSUE 21 & 22 - 10 & 25 SEPTEMBER 2020

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

اخوت اسلامی پر مسلمانوں کی شیرازہ بندی کا انحصار

ہم اپنے معاشرہ پر جب نظر ڈالتے ہیں تو بڑی مایوسی ہوتی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو عملاً اپنے بھائی کا مقام بالکل نہیں دیتا، اور اگر بعض اثرات کی وجہ سے کسی حد تک بھائی کا مقام دیتا ہے تو اس کے مفادات کو وہ درجہ نہیں دیتا جو اپنے مفادات کو دیتا ہے، بلکہ مسلمان معاشروں میں یہ بات صاف طریقہ سے دیکھی جاسکتی ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے صرف اپنے ذاتی مفاد کے دائرہ ہی میں تعلق رکھتا ہے، اگر اس کا ذاتی مفاد کا معاملہ نہ ہو تو پھر اس کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں رہتی، مال کے خرید نے بیچنے میں، اخلاق وسلوک برتنے میں، دوستی دشمنی کرنے میں، تعلقات قائم کرنے اور توڑنے میں اسلام کے مقرر کیے ہوئے اخلاق بالکل نظر نہیں آتے، رہا یہ کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو اپنا بھائی سمجھے اور اس کے لیے وہی چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے تو اس کا تو تصور بھی مشکل ہو گیا ہے، اس کی اصل وجہ خود غرضی کا وہ چلن ہے جو غیر مسلموں سے مسلمانوں میں پوری طرح منتقل ہو گیا ہے، بلکہ غیر مسلم سے منتقل ہونے کی کیا ضرورت خود آدمی کا نفس ہی اس کام کو انجام دے لیتا ہے، یہ نفس وہ نفس ہے جو اسلامی تعلیمات کے اثر سے بالکل بے نیاز ہو گیا ہے۔

یہ بات کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو اپنا بھائی سمجھے اور اس کے مفادات کو وہی اہمیت دے جو اپنے مفادات کو دیتا ہے ایک خواب بن چکی ہے، جس کا علم کتابوں میں ہوتا ہے یا ذہن میں ایک دھندلا تصور لایا جاسکتا ہے، حالانکہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو اپنا بھائی سمجھنا وہ طاقت ہے جس پر مسلمانوں کی شیرازہ بندی کا بڑی حد تک انحصار ہے، اور ملت کی تاریخ میں بے شمار کامیابیاں اسی سے پیدا ہوئی ہیں اور آج بھی کسی درجہ میں یہ تصور عمل میں آتا ہے تو وہ کامیابیاں حاصل ہونے لگتی ہیں، اور یہ وہ طاقت ثابت ہوتی ہے جس سے دوسری ملتیں اور قومیں مسلم ملت پر رشک کرتی ہیں۔ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

فی شمارہ ₹20

۱۰، ۲۵ ستمبر ۲۰۲۰ء

سالانہ زرتعاون ₹400

شعر وادب

خدا اُن سے راضی، وہ راضی خدا سے

.....مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ

غلامانِ سرکار یاد آرہے ہیں • وہ اعوان و انصارؓ یاد آرہے ہیں
جو چون و چرا جانتے ہی نہیں تھے • خدا کے وفادار یاد آرہے ہیں
خدا ان سے راضی وہ راضی خدا سے • محبت کے بیمار یاد آرہے ہیں
ہے خود دین کو ناز جن ہستیوں پر • وہی مجھ کو دیں دار یاد آرہے ہیں
جو پیتے تھے ہر دم شرابِ محبت • وہی مجھ کو مے خوار یاد آرہے ہیں
مسخر ہوئے جن سے اغیار کے دل • وہ اخلاق و کردار یاد آرہے ہیں
وہ صدیقؓ و فاروقؓ و عثمانؓ و حیدرؓ • وہ ابرار و اخیار یاد آرہے ہیں
لٹادی خدا کے لیے ساری دولت • وہ امت کے سردار یاد آرہے ہیں
وہ دو نور والے رفیق پیمبر ﷺ • وہ عثمانؓ زردار یاد آرہے ہیں
تھے حسانؓ جو عاشقِ فخر عالم • ہمیں ان کے اشعار یاد آرہے ہیں
میں جنت کو بھی بھول بیٹھا ہوں اب تو • صحابہؓ کے گھر بار یاد آرہے ہیں
محبت صحابہؓ کی پیدا ہو جن سے • وہ اخبار و آثار یاد آرہے ہیں
تڑپنے لگا دل مرا، اللہ اللہ • مدینہ کے کہسار یاد آرہے ہیں
وہ حرمین کے رات دن، اللہ اللہ • وہ برکات و انوار یاد آرہے ہیں

غلامانِ احمد ﷺ پہ قربان احمدؔ
حقیقی وہ احرار یاد آرہے ہیں

☆☆☆☆☆

اداریہ

مصائب کی تنبیہ اور کفارہ

شمس الحق ندوی

انسان کے لیے مصیبتوں اور پریشانیوں سے زیادہ بڑی اور تکلیف پہنچانے والی کوئی دوسری چیز نہیں ہوتی ہے، لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مصیبت ہی کا کڑوا گھونٹ انسان کی وہ تربیت کرتا ہے جو اس کے بغیر نہیں ہوسکتی، چنانچہ اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ مغرور سے مغرور انسان بھی جب مصیبت کی ٹھوکر کھاتا ہے تو ہوش میں آجاتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے غافل انسانوں اور خود فراموش سرمستوں کو ہوش میں لانے کے لیے مصیبت کی آگ میں تپاکے اور غم و رنج کی گھاٹیوں سے گذارنے کا تربیتی نظام رکھا ہے، کبھی کبھی مصیبتوں ہی کی بدولت ملحد سے ملحد انسان بھی ایک دفعہ بے قرار ہوکر خدا کا نام لے ہی لیتا ہے۔

دولت ونعمت اور کامیابی ومسرت وہ شراب ہے جس کے نشہ کا اتار اتفاقی مصائب کی ترشی ہی سے ہوسکتا ہے، انسان خدا کو کتنا ہی بھولا ہوا ہو اور دولت و ثروت پر کتنا نازاں ہو، لیکن جب وہ کسی آفت ومصیبت سے دوچار ہوتا ہے تو فوراً اس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں، بیماری، تنگدستی، عزیزوں کی موت، آرزوؤں کی ناکامی، ان سے ہر چیز وہ ٹھوکر ہے جس کو کھا کر سرمست سے سرمست انسان بھی چونک کر ہوشیار ہوجاتا ہے، اس لیے ان مصائب میں انسانوں کے برے اعمال اور گناہوں کا کفارہ بننے کی صلاحیت پوری طرح موجود ہے کہ تھوڑی سی تکلیف سے بندہ میں جو احساس پیدا ہوتا ہے وہ بہت قیمتی چیز ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان حالات سے گذارتا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں فرمایا: "لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِيْ كَبَدٍ" (تحقیق ہم نے بنایا آدمی کو محنت میں)۔

یعنی آدمی ابتداء سے انتہا تک مشقت ورنج میں گرفتار ہے اور طرح طرح کی سختیاں جھیلتا رہتا ہے، شاید عمر بھر میں کوئی ایسا لمحہ آتا ہو جب کوئی انسان تمام قسم کے خرخشوں اور محنت وتکلیف سے آزاد ہوکر بالکل بے فکری کی زندگی گذارے، مکی زندگی میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابتلا وآزمائش کے جس دور سے گذرے ہیں، وہ "لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِيْ كَبَدٍ" کا کھلا ثبوت ہے، رنج وغم، بیماریوں اور مصائب سے رجوع وانابت کی وہ حالت پیدا ہوتی ہے جو اس کے بغیر نہیں ہوسکتی، اس لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر وقت کی دعائیں بتائی ہیں کہ عبدیت کا وہ مظاہرہ اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑانے کے بغیر نہیں ہوسکتا جو ہونا چاہیے، یہ دنیا کی مختصر زندگی میں آخرت کی دائمی زندگی کے لیے تربیت کا خدائی نظام ہے، چنانچہ میدان عرفات میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو ہر دیکھنے والے سے زیادہ خدا کی عظمت وجلال کو دیکھ رہے ہیں اور جو ہر جاننے والے سے زیادہ انسانوں کی درماندگی، بے حقیقی اور بے بسی سے واقف ہیں، کیسی پرتاثیر دعا فرماتے ہیں، پڑھئے:

"اللّٰهم انك تسمع كلامي، وترى مكاني، وتعلم سرّي وعلانيتي، لايخفى عليك شيء من أمري، وأنا البائس الفقير، المستغيث المستجير، الوجل المشفق، المقرّ المعترف اليك بذنبي، أسألك مسئلة المسكين، وابتهل اليك ابتهال المذنب الذليل، وأدعوك دعاء الخائف الضرير دعاء من خضعت لك رقبته وفاضت لك عبرته، وذلّ لك جسمه، ورغم لك أنفه، اللّٰهم لاتجعلني بدعائك شقياً وكن لي رؤفاً رحيماً يا خير المسئولين ويا خير المعطين"۔ (اے اللہ! تو میری بات سنتا ہے اور میری جگہ کو دیکھتا ہے اور میرے پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے، تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی، میں مصیبت زدہ ہوں محتاج ہوں، فریادی ہوں، پناجو ہوں، پرشیان ہوں، ہراساں ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار کرنے والا ہوں، اعتراف کرنے والا ہوں، تیرے آگے سوال کرتا ہوں جیسے بے کس سوال کرتے ہیں، تیرے سامنے گڑگڑاتا ہوں جیسے گناہگار ذلیل وخوار گڑگڑاتا ہے اور تجھ سے طلب کرتا ہوں جیسے خوف زدہ آفت رسیدہ طلب کرتا ہے اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہو اور اس کے آنسو بہہ رہے رہوں اور تن بدن سے وہ تیرے آگے فروتنی کیے ہوئے ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہے، اے تو اپنے سے دعا مانگنے میں ناکام نہ رکھ، میرے حق میں بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہوجا، اے سب مانگے جانے والوں سے بہتر اور دینے والوں سے اچھے)۔ ☆☆☆

منبع علم ومعرفت

مدارس امت مسلمہ کے لیے سرچشمۂ حیات

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

"اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ". [سورۃ العلق:۱-۵]

ایک اُمی قوم میں -جس کو قرآن مجید میں خود کہا گیا ہے یہود کی زبان سے "لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّيْنَ سَبِيْلٌ" [سورۃ آل عمران:۷۵] ہم عرب کے باشندوں کے ساتھ کوئی معاملہ کریں، کوئی زیادتی کریں، ان کے مال پر قبضہ کرلیں، غصب کرلیں، ان کو ایذا پہنچائیں، ہم سے کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا، اس لیے کہ وہ جانوروں کے حکم میں ہیں، جانور کو اگر کوئی استعمال کرے، مار دے، تکلیف پہنچائے، تو کوئی محاسبہ نہیں ہوگا-

اور ایک ایسی قوم جس کو امیین کے لقب سے یاد کیا گیا ہے اور قرآن مجید میں اس کا ذکر کرکے اس کو قیامت تک کے لیے باقی رکھا گیا ہے، ایک ایسے شہر میں کہ جہاں قلم ڈھونڈھنے سے ملتا، میں اپنے تاریخ عرب کے مطالعہ کی روشنی میں کہتا ہوں کہ مکۂ مکرمہ میں شاید تین چار گھروں میں قلم مل سکتا، زیادہ قلم دستیاب نہیں ہوسکتا تھا، اور پھر ایک ایسی شخصیت پر، ایک ایسے انسان کامل پر، اور ایک ایسے اللہ کے محبوب بندے پر کہ جو دنیائے انسانیت کو نجات دینے کے لیے مبعوث ہوا ہے، اور جس کو علم کے دریا پھیلانے ہیں، دریا بہانے ہیں، اور علم کے خزانے زمین سے اگلوانے ہیں، اور جس کو ذہانت اور قوت مطالعہ اور تدقیق وتحقیق کی آخری معراج تک پہنچانا ہے، وہ خود اُمی ہے، اس پر یہ آیتیں نازل ہوتی ہیں۔

امت کا دامن علم سے باندھ دیا گیا

تو اس امت کا دامن علم سے باندھ دیا گیا ہے، اور اس امت کے لیے گویا یہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے کردی گئی ہے ان آیتوں کے ذریعے، کہ پہلی وحی جو نازل ہوتی ہے اس میں نہ عقائد کے بارے میں کچھ کہا جاتا ہے، نہ ان چیزوں کے بارے میں جو بنیادی چیزیں ہیں، جن پر اسلام کی بنیاد قائم ہے، نہ عبادات کے متعلق کہا جاتا ہے، نہ معاملات کے متعلق کچھ کہا جاتا ہے، اور نہ وہاں کے رسوم کے خلاف کچھ کہا جاتا ہے، نہ جاہلیت کے خلاف کہا جاتا ہے، وہاں جو پہلی بات کہی جاتی ہے، پہلا لفظ جو بولا جاتا ہے، حضرت جبرئیل جس کو ادا کرتے ہیں، آپ سے ادا کروانا چاہتے ہیں، وہ ہے: "اِقْرَأْ"۔

یہ ایک انکشاف، یہ ایک حیرت انگیز چیز ہے کہ سوچنے سمجھنے والے انسان کو بڑے تفکر اور تدبر پر، اور ذہانت پر اور نکتہ شناسی پر، حاضر شناسی پر آمادہ کرتی ہے، مگر چونکہ جو چیز زیادہ پڑھی جاتی ہے، نظر سے گزرتی ہے، اس پر غور کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی یا نوبت نہیں آتی، اور سب سے پہلے یہی آیتیں پڑھی جاتی ہیں، اسی سے بسم اللہ ہوتی ہے، اسی لیے اس پر بھی -اور یہ فطرت انسانی ہے- غور کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی یا نوبت نہیں آتی۔

تو ایک تو یہ کہ اس امت کے لیے قرأت سے اس کا دامن باندھ دیا گیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ایک شرط یہ ہے کہ علم اور اسم دونوں کو جمع کیا گیا ہے، دنیا کی یہ بڑی قسمت ہے اور بڑی بدنصیبی ہے، اس کو امریکہ اور یورپ میں اور ترقی یافتہ دور میں دیکھا جاچکا ہے کہ علم کا رشتہ جب اسم سے ٹوٹ گیا ہے، تو وہ علم علم نہیں، بلکہ جہل، جہل نہیں بلکہ جہل آموز چیز اور انسانیت سوز چیز اور حقائق کو بھلادینے والی اور آخری درجہ میں خدا فراموش بنادینے والی چیز بن گیا ہے، یہ ایک سانحہ ہے دنیا کا۔

آج علم نافع کیوں نہیں؟

اس کو میں نے مغربی ممالک میں بھی کہا کہ علم جو آج مفید نہیں ہورہا ہے، نافع نہیں ہے، وہ اس وجہ سے کہ علم علم ہے لیکن اسم نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے علم کو اسم کے ساتھ جوڑا تھا، اور دونوں کا دامن باندھ دیا تھا، اور علم کو اسم کے ساتھ مربوط کردیا تھا، جب علم اسم سے محروم ہوجائے گا، اور پھر محروم ہی نہیں باغی ہوجائے گا، اس اسم کے خلاف وہ بغاوت کرے گا، انکار ہی نہیں بلکہ اس کو پردۂ وجود سے ختم کرنا چاہے گا، وہ علم علم وحشت آمیز نہیں، وحشت انگیز نہیں، بلکہ وحشت آموز بن جائے گا، اور ظلم کا دریا بہانے والا اور ظلم کی آگ لگادینے والا بن جائے گا، اور جو کچھ فساد ہم کو آج یورپ وامریکہ میں نظر آرہا ہے، وہ سب اس وجہ سے کہ علم کا رشتہ اسم سے ٹوٹ چکا ہے، اور اب علم وہ علم نہیں ہے جو انسانیت پیدا کرے، بلکہ وہ علم ہے کہ جو درندگی پیدا کرے، وحشت پیدا کرے، سَبُعیت پیدا کرے، سفا کی پیدا کرے، نفس پرستی پیدا کرے۔

مدارس امت مسلمہ کے لیے ضروری کیوں؟

جہاں تک مسلمانوں کا، امت مسلمہ کا تعلق ہے، اس کا تو دامن بندھا ہوا ہے، اس کے لیے تو شرط ہے کہ اس کی زندگی کا آغاز، اس کی شعوری زندگی کا آغاز کم سے کم "اِقْرَأْ" 'قرأت' کے عمل

کے ساتھ ہو، اور اسم کے سایہ کے نیچے ہو، اسم ربانی، اسم الٰہی کے سایہ کے نیچے ہو، اور وہ اس کی سرپرستی میں ہو، اس کی رہنمائی میں ہو، اس کی رفاقت میں ہو، تو جہاں تک امت مسلمہ کا تعلق ہے، اس کے لیے تو مدارس اس لیے ضروری ہیں کہ یہ مدارس اس کی زندگی کا سرچشمہ ہیں، اور اس کو اسلام کے راستے پر ڈالنے والے ہیں، اسلام کو سمجھانے والے ہیں، اسلام پر عمل کرنے کی ترغیب دینے والے اور پھر زمانے میں جو تغیرات پیدا ہوتے ہیں، ان تغیرات سے جو مسائل پیدا ہوتے ہیں، بلکہ مصائب پیدا ہوتے ہیں، تناقضات پیدا ہوتے ہیں، امتحانات پیدا ہوتے ہیں، اُن کا علاج بھی بتانے والے ہیں۔

ایک اعلان

جہاں تک امت مسلمہ کا تعلق ہے، علم تو اس کے لیے سانس کی طرح ہے، روح کی طرح ہے، لیکن شرط یہی ہے کہ علم اسم الٰہی سے مربوط ہو، اور اسی کی رہنمائی میں ہو، اور پھر انھیں آیتوں میں خیال فرمائیے کہ غار حراء میں یہ آیتیں نازل ہو رہی ہیں ایک نبی اُمی پر، اور ایک شہر اُمی پر، بلد اُمی میں، اور ایک ملک اُمی میں اور ایک اُمت اُمیہ میں، لیکن اس میں قلم کا بھی ذکر ہے، اس میں صاف پیشین گوئی تھی، اس پر بہت کم لوگوں نے غور کیا کہ ان آیتوں میں یہ اعلان کیا ہے اور اس اعلان پر بہت کم لوگوں نے غور کیا کہ یہ امت قلم کے استعمال کرنے والی امت ہوگی، اور قلم سے ہدایت و رہنمائی کا کام لے گی، قلم سے وہ ان خرابیوں، ان بیماریوں کو دور کرے گی جن میں انسانیت مبتلا ہے، قلم کا سب سے زیادہ صحیح استعمال کرنے والی یہ امت ہوگی، اس لیے کہ اس کے نبی اُمی پر جو آیتیں نازل ہو رہی ہیں، ان میں بھی قلم کو فراموش نہیں کیا گیا ہے، اس میں قلم کا لفظ آیا ہے: "اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ"۔

مدارس امت مسلمہ کے لیے حیات کی ایک شرط

جہاں تک امت مسلمہ کا تعلق ہے، یہ آج کے حالات کا بھی تقاضا ہے کہ یہ بات صاف صاف کہہ دی جائے، اور جو باتیں مسلم ہیں کہ مدارس امت مسلمہ کے لیے حیات کی ایک شرط ہیں، وہ اس کی شرائط حیات اور شرائط بقاء میں سے ہیں، اور اُسی سے اِس امت کا بقا اور تسلسل بحیثیت امتِ ہدایت کے باقی رہے گا، جس کا علم سے کبھی رشتہ توڑا نہیں جاسکتا، اور توڑا جائے تو ٹوٹ نہیں سکتا، اور اگر توڑا جائے گا تو پھر یہ امت کشی ہوگی، امتِ اسلام کشی ہوگی، پھر اس کے بعد جہاں تک تعلق ہے دوسرے ممالک کا، اور دوسرے تمدنوں کا، اور تمدنی مرکزوں کا، تو میں نے جیسے اشارہ کیا اپنی پچھلی معروضات میں کہ یہ مدرسے شفاخانے ہیں ان ملکوں کے لیے، اور بلکہ میں صاف کہتا ہوں، بات ذرا سمجھ میں آنے والی ہے کہ مدارس کا وجود میڈیکل کالجز سے زیادہ ضروری ہے، یہ میڈیکل کالج جہاں پر علاج ہوتا ہے، جہاں بالکل لب دم اور جاں بلب مریضوں کو لے جایا جاتا ہے، میں ان کی افادیت سے انکار نہیں کرتا، اور میں اس سے بعض ذرائع سے اور بعض مواقع سے بہت قریب بھی رہا ہوں، تیماردار کی حیثیت سے بھی میں نے قیام کیا ہے، مریض کی حیثیت سے بھی میں نے قیام کیا ہے، اور میرے مربی اور معلم میرے بڑے بھائی ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ لکھنؤ کے میڈیکل کالج کے فاضل تھے اور اس کے سند یافتہ تھے، تو میں ان کی افادیت سے انکار نہیں کرتا۔

لیکن اگر غیر فانی حیات اور آخرت، اور انسان کی ہدایت و ضلالت کا مسئلہ، اور انسان کی حیات و ہلاکت کا مسئلہ سامنے لایا جائے، اور حیات بھی نافع، حیات بھی حیات بخش، حیات ہی نہیں، حیات بخش، اور پھر علم بھی نافع، اور پھر دوسروں کو نفع بھی پہنچانے والا ہو، تو یہ مدارس ان میڈیکل کالجز سے بھی زیادہ ضروری ہیں، وہاں جسم کا علاج ہوتا ہے، عضو کا علاج ہوتا ہے، کسی انسانی جسم کے کسی ٹکڑے کا علاج ہوتا ہے، کسی بیماری کا انکشاف ہوتا ہے، لیکن وہ بہرحال زندگی عارضی ہے، زندگی کی بیماریاں بھی عارضی ہیں، زندگی کا انجام بھی سب کو معلوم ہے، یہ زندگی ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے۔

مدارس میں حیات ابدی کا تحفہ

لیکن یہ مدارس وہ شفاخانے ہیں جہاں سے حیات ابدی کا تحفہ ملتا ہے، اور حیات اخروی کی نعمت ملتی ہے، اور انسان کا خدا سے ربط قائم ہوتا ہے، مخلوق کا ربط خالق سے قائم ہوتا ہے، مرزوق کا ربط رازق سے قائم ہوتا ہے، مجبور کا ربط قادر مطلق سے قائم ہوتا ہے، اور یوں سمجھئے کہ انسان اس کے ذریعے سے بامعانی بنتا ہے، اور ایک زندگی کی ضرورت ثابت ہوتا ہے۔

اس لیے اگر انصاف ہو، سلامت فکر ہو، اور حکومت تعصّبات سے پاک ہو، اور وہ حقائق کو سمجھنے والی ہو، تو اس کو خود ان مدارس کو قائم کرنے کے لیے انتظامات کرنے چاہئیں، اور بلکہ اس کے لیے اس کو ضد کرنی چاہیے، اور اس کے لیے اس کو احکام کرنے جاری کرنے چاہئیں، اگر ہمارے ملک میں یا کسی ملک میں یا یورپ و امریکہ کے کسی ملک میں بھی یہ حقیقت پسندی پیدا ہو جائے، اور انسان کے آغاز و انجام پر اس کی نظر ہو، اور آسمانی کتابوں پر اور آسمانی تعلیمات سے وہ واقف ہو، اور کم سے کم یہ سمجھے کہ یہ حیات فانی ہے، اور چاہے

کتنے ہی سال کی ہو، سو برس کی ہو، یا اس سے زائد کی ہو، اس کے بعد پھر فنا ہونا ہے، آگ میں جل جانا ہے، یا مٹی میں چھپ جانا ہے، اگر اس حقیقت پر بھی نظر ہو تب بھی وہ ان مدارس کی، جہاں سے حیات حقیقی کا پیغام ملتا ہے، اور شفائے کلی کا پیغام ملتا ہے، اور جہاں سے زہر کا تریاق ملتا ہے، اور جہاں سے زندگی میں معنویت پیدا ہوتی ہے، زندگی میں افادیت پیدا ہوتی ہے، اور زندگی میں ارتقاء پیدا ہوتا ہے، اور زندگی میں انصاف پیدا ہوتا ہے، اور زندگی میں انسان دوستی پیدا ہوتی ہے، وہ ان مدارس کی سرپرستی کرے اور ان کو قائم کرے اور قائم کروائے، اور اگر کوئی ان کو بُری نگاہ سے دیکھے تو وہ اس کی دشمن بن جائے کہ ان مدارس کا رہنا ضروری ہے۔

اگر ہمارے ہندو بھائیوں میں، ہمارے ان ہم سایہ گان میں اور ہمارے ہم وطنوں میں اگر حقیقت پسندی ہوتی تو ان مدارس کی - جہاں خدا سے ڈرنا سکھایا جاتا ہے، خدا کی معرفت بتائی جاتی ہے، انسان کا درجہ بتایا جاتا ہے کہ "لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ" اور جہاں ناانصافی کو اور ایذا رسانی کو اور نفس پرستی کو بُرا بتایا جاتا ہے، اور اس کی مذمت کی جاتی ہے، اور اخلاق سیئہ سے روکا جاتا ہے - وہ ان کی ایسی قدر کرتے کہ وہ شفاخانوں سے اور میڈیکل کالجوں سے زیادہ ہوتی، مگر افسوس ہے کہ جو فطری حقائق ہیں، اور ابدی حقائق ہیں، عمومی حقائق ہیں، آفاقی حقائق ہیں، ان پر پردے پڑ گئے ہیں، زمان و مکان کی تنگیوں کے اور زمان و مکان کے اثرات کے، اور باہر کے خدا ناشناس ملکوں کی تہذیب کے اثرات پڑ گئے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ملک خود بھی زوال کی طرف جا رہے ہیں۔

اور میں صفائی کے ساتھ کہتا ہوں جو وہاں لوگ جا چکے ہیں، جو لوگ وہاں کے حالات پڑھتے ہیں کہ یہ جو کوشش ہو رہی ہے اس وقت Fundamentalism کے خلاف، اور مسلمانوں میں مذہبی جذبہ کو سرد کرنے کے لیے، اس میں اس کو بھی دخل ہے، احساس کمتری کو بھی دخل ہے، اور اس میں اس خطرے کے احساس کو بھی دخل ہے کہ امریکہ اور یورپ اور مغرب زوال کی طرف جا رہے ہیں، اور اس میں ایک امکان یہ بھی ہے کہ اسلام قبول کر لیں، انھوں نے اپنی تشفی کے لیے بھی اور کسی قدر اس کے انتظامی لحاظ سے بھی ان اسلامی ممالک میں خود یہ تحریک پیدا کی ہے کہ بنیاد پرستی کو ختم کیا جائے، اور افسوس ہے کہ ہمارے ان ملکوں کے حکمرانوں نے اور وہاں کی صاحب اقتدار جماعت نے اس کو قبول کر لیا ہے، اس کے متعلق میں بہت تفصیل سے اپنے عربی مضامین میں لکھ چکا ہوں، ان کے ترجمے بھی ہوئے ہیں، میں تفصیل میں نہیں جاؤں گا، لیکن اس وقت اگر کوئی چیز بچا سکتی ہے تو وہی علم نافع اور آسمان سے اترا ہوا علم ہے، اس علم سے وابستہ ہے۔

اگر یہ ان لوگوں کو معلوم ہو جائے تو پھر وہ اِن مدارس کو، ممکن ہے کہ بہت سے مدارس کی انتظامی کمیٹیوں اور ان کے سرپرستوں اور ان کے رہنماؤں سے زیادہ، وہ ان مدارس کا قائم رہنا ضروری سمجھیں اور ان کی حفاظت کریں، اور یہ آگ بجھانے والے انجن جو ہیں اور ان کے جو مرکز ہیں، ان سے زیادہ ان مدارس کو اہمیت دیں، کہ ہوس کی آگ کو، نفس پرستی کی آگ کو، اور پھر دولت پرستی کی آگ کو (جو آخری چیز ہے) بجھانے والے یہی انجن ہو سکتے ہیں، ان انجنوں کی حفاظت کریں۔

مدارس ملک کے لیے بھی ضروری

یہ بات میں نے ایک امت مسلمہ کے نقطۂ نظر سے اور اس کی ترجمانی کرتے ہوئے بھی اور اس کا ربط بتاتے ہوئے بھی اور اس کے ساتھ ساتھ پورے ملک کی آبادی کا جہاں تک تعلق ہے، اس کا ان مدارس کے بارے میں جو نقطۂ نظر ہونا چاہیے، تاثر ہونا چاہیے، اور فیصلہ ہونا چاہیے، اس کو بھی سامنے رکھ کر میں نے یہ بات کہہ دی کہ یہ مدارس نہ صرف مسلمانوں کے لیے ضروری ہیں بلکہ ملک کے لیے ضروری ہیں، وہاں کی آبادی کے لیے ضروری ہیں، وہاں کے مستقبل کے لیے ضروری ہیں، اگر وہ ملک آدمیوں کو دیکھنا چاہتا ہے کہ آدمی آدمی کی طرح رہے، آدمی بھیڑیا نہ بن جائے، آدمی کتا اور سانپ اور بچھو نہ بن جائے، تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس طرح کے مراکز چاہے اُن کا نام آپ مدارس رکھیے، چاہے ان کا نام آپ کچھ اور رکھیے، کسی زبان میں رکھیے، لیکن بہرحال ایسے مرکزوں کی ضرورت ہے۔

میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اس ادارے کے خادم کی حیثیت سے، اپنی طرف سے بھی، اپنے رفقاء کی طرف سے بھی کہ خدا نے موقع دیا، اور شاید اس شر میں بھی ایک خیر ہو کہ اس نامناسب اور غیر عاقلانہ، غیر دانشمندانہ اقدام نے مدارس میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی ہے، ان کو اپنی قیمت کا بھی احساس ہوا ہے، اور خطرے کا بھی احساس ہوا ہے، اور یہی دو چیزیں ہیں جو منفی و مثبت مل کر کے انھوں نے بڑے بڑے انقلابات کیے ہیں کہ خطرے کا بھی احساس ہو اور اس کی حفاظت کے طریقے کی بھی تلاش ہو، اس کا بھی عزم ہو، تو پھر بہت بڑی روبہ زوال سلطنتوں اور روبہ زوال تہذیبوں کو بھی اس وقت زندگی کی ایک قسط مل گئی ہے۔

☆☆☆☆☆

اصلاح حال

معاشرتی برائیاں اوران کا حل

● .....حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

معاشرتی برائیاں نام ہے عقل وارادہ کی کمی کا، جب انسان میں عقل وارادہ کمزور پڑ جاتا ہے تو وہ برائی کی طرف مائل ہوتا ہے جس سے معاشرہ تباہ ہوتا ہے اورانسانی افراد واجتماع کوروحانی اور مادی نقصان پہنچتا ہے بلکہ یہ برائیاں جب کسی قوم میں عام ہوجاتی ہیں تو قوم وملک کی ہلاکت و بربادی کا سبب بنتی ہیں۔

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے،اس لیے قرآن نے جابجا معاشرتی برائیوں کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی اس کا علاج بھی تجویز کیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"إِنَّ اللّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَإِيْتَاء ذِيْ الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاء وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ" [سورہ نحل:۹۰](اللہ انصاف اوراحسان سے کام کرنے اوررشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے وہ بے حیائی، ناپسندیدہ بات اور سرکشی سے روکتا ہے، تمہیں وہ نصیحت کرتا ہے شاید کہ تم نصیحت پاجاؤ)۔

اس آیت کریمہ میں معاشرتی برائیوں کو تین بڑے عنوانوں میں تقسیم کیا گیا ہے جو یہ ہیں: ۱-فحشاء یعنی بے حیائی کے کام،۲-منکرات جس سے پوری جماعت کی زندگی متاثر ہو،۳-اوربغی یعنی سرکشی، جیسے چوری،قتل، ڈاکہ اورملک وقوم سے غداری کے کام۔

یہ وہ اخلاقی برائیاں ہیں جن کو ہر مذہب اور ہرانسانی معاشرت نے یکساں طور پر برا کہا ہے، وہ درحقیقت برائی اور بے حیائی کے کام ہیں اوردین وشرافت کی نگاہ میں وہ سب برائیاں گناہ اورناپسندیدہ باتیں ہیں، اگران کو جائز قرار دیدیا جائے توافراد کے باہمی حقوق سے امان اٹھ جائے اورکسی کی جان ومال اورعزت وآبرو سلامت نہ رہے۔

قرآن مجید نے اس ضمن میں اخلاق کا معتدل نظام پیش کیا، وہ اخلاق جوخدا کو پسند ہیں فضائل کہلاتے ہیں اورجن کو خدا ناپسند کرتا ہے ان کو رذائل کہتے ہیں، قرآن مجید نے جن فضائل اخلاق کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں:

تقویٰ

''تقویٰ یعنی عفت وپاکیزگی، عدل و انصاف، عفوودرگزر، تواضع وانکساری اعتدال و میانہ روی، حق گوئی، احسان اورصلہ رحمی''۔

ان فضائل کے نہ ہونے سے جومعاشرتی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں وہ یہ ہیں:

حرص وطمع، بے حیائی، فضول خرچی، جھوٹ، رشوت، قمار بازی، ناپ تول میں کمی، بدی غیبت، یہ وہ معاشرتی برائیاں ہیں جن کو قرآن نے ان معاشرتی برائیوں کو فحشاء اورمنکرات سے تعبیر کیا ہے، قرآن مجید نے ان معاشرتی برائیوں کا جوعلاج تجویز کیا ہے وہ یہ ہے کہ:

"إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاء وَالْمُنكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ" (بے شک نماز بے حیائی اور برائی کی باتوں سے روکتی ہے اوراللہ کی یاد بڑی چیز ہے)۔

شرم وحیا

بے حیائی کا علاج شرم وحیا ہے، بے حیائی کی باتوں سے بچنا لیکن امرحق کے اظہار میں شرم و حیادامن گیر نہ ہونا، یہی معاشرتی برائیوں کا قرآنی علاج ہے، حیا نام ہے فواحش ومنکرات سے بچنے کا، جذبۂ حیا جوانسانوں کومعاشرتی برائیوں سے روکتا ہے اگر یہ نہ ہوتو پھر انسان بے حیا ہوکر جوچاہے کرسکتا ہے، حیا سے بھلائی پھیلتی ہے۔نماز، حیا کا سرچشمہ ہے اوروہی برائیوں سے بچاتی ہے۔

عدل وانصاف

اسی طرح زندگی کے ہرشعبہ میں عدل و انصاف سے کام لینے کی بھی ضرورت ہے جب عقل کی قوت اورنیکی کا چراغ، جذبات کی آندھیوں میں بجھ رہا ہوتو اس وقت عدل وانصاف کا سہارا لینا پڑتا ہے، بعض برائیاں وہ ہیں جن کے کرنے سے خدا کی رحمت چھن جاتی ہے پھروہ برائیاں ہیں جوخدا کی محبت سے محروم کردیتی ہیں، پھروہ ہیں جورضائے الٰہی سے خالی ہیں، مثلاً شرک، ایک ایسی معاشرتی خرابی ہے کہ جس کا مرتکب رضائے الٰہی کونہیں پاسکتا، بلکہ خدا شرک کومعاف نہیں کرتا، شرک کرنے والا خدا کی رحمت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوجاتا ہے، اس لیے اسلام کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے دنیا کے معبدوں سے تمام باطل معبودوں کو باہر نکال پھینکا، باطل معبودوں کی عبادت اور پرستش یک قلم موقوف کردی، اورایک خدا کی عبادت کا اعلان کیا۔

درگذر

قرآن مجید نے دوسرا علاج جومعاشرتی برائیوں کودور کرنے کے لیے تجویز کیا ہے وہ یہ ہے:

"وَلَا تَسْتَوِیْ الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِیٌّ حَمِیمٌ" [سورہ حم سجدہ:۳۴]

اور برائی اور بھلائی برابر نہیں، اگر کوئی برائی کرے تو اس کا جواب اچھائی سے دو، کیونکہ جاہلوں سے درگزر کرنا اور احسان کرنا نیکی ہے، اللہ احسان کے بدلے کو ضائع نہیں کرتا، ہر نیکی ثواب کا کام ہے، احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ سے برائیاں دور ہوتی ہیں، اور نیکی کے عمل سے، معاشرتی برائیوں کا خاتمہ ہوتا ہے، اس لیے عفو درگزر سے کام لینا چاہئے، نیکی بدی کو دھو دیتی ہے، بھلائی کرنا ایک ایسی صفت ہے جو ہر نیکی کو محیط ہے، بھلائی کرنا بہت سی برائیوں کا علاج ہے، برائی کی جگہ، بھلائی کرنا، معاشرتی خرابیوں کا سب سے بڑا علاج ہے، اسی لیے قرآن مجید نے کہا ہے:

"إِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ" [سورہ ہود:۱۱۴] (بے شک نیکیاں برائی کو دور کردیتی ہیں)۔

نیکیوں کو اختیار کرنے اور زندگی کو اچھے اعمال سے مزین کرنے کی مثال قرآن مجید نے رحمٰن کے بندوں کے عنوان سے اس طرح دی ہے:

"وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْناً وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَاماً، وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّداً وَّقِیَاماً، وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَاماً، إِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرّاً وَّمُقَاماً، وَالَّذِیْنَ إِذَا أَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَكَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَاماً، وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهاً آخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ، وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ أَثَاماً" [سورۃ الفرقان:۶۳-۶۸]

(اور خدا کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے (جاہلانہ) گفتگو کرتے ہیں تو سلام کہتے ہیں اور جو اپنے پروردگار کے آگے سجدہ کرکے اور (عجز و ادب سے) کھڑے رہ کر راتیں بسر کرتے ہیں اور وہ جو دعا مانگتے ہیں کہ اے پروردگار دوزخ کے عذاب کو ہم سے دور رکھیو کہ اس کا عذاب بڑی تکلیف کی چیز ہے اور دوزخ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت بُری جگہ ہے اور وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بیجا اُڑاتے ہیں اور نہ وہ تنگی کو کام میں لاتے ہیں بلکہ اعتدال کے ساتھ، ضرورت سے زیادہ نہ کم اور وہ جو خدا کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جاندار کا مارڈالنا خدا نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریقہ پر (یعنی حکم شریعت کے مطابق) اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہوگا)۔

اس کے علاوہ معاشرتی خرابیاں جن چیزوں سے دور ہوسکتی ہیں قرآن مجید نے ان کی تفصیل بتائی ہے اور وہ یہ ہیں:

۱۔تقویٰ، ۲۔اخلاص، ۳۔توکل، ۴۔صبر وشکر

تقویٰ نام ہے دل کی پاکیزگی اور عمل صالح کا، اخلاص نام ہے دیانت داری کا، توکل خدا پر بھروسہ کرنے کو کہتے ہیں، اور صبر تمام شیطانی طاقتوں پر قابو پانے کو کہتے ہیں تقویٰ سے عظمت نفس پیدا ہوتی ہے، اور انسان کا ضمیر بیدار ہوتا ہے اسی لیے اسلام میں برتری کا معیار تقویٰ کو قرار دیا گیا ہے، اخلاص خدا کی خوشنودی اور بجا آوری کو کہتے ہیں، ظاہر ہے اگر انسان میں پرہیزگاری اور زندگی سے خلوص پیدا ہوجائے تو پورا سماج معاشرتی برائیوں سے پاک ہوسکتا ہے کیونکہ جس میں اللہ کا خوف ہوگا وہ نہ بددیانتی کرے گا اور نہ کسی کی حق تلفی کرے گا، نہ اس کے قول وعمل میں تضاد ہوگا اور نہ وہ اپنے فرائض منصبی سے پہلوتہی کرے گا، اسی طرح توکل اور صبر، کامیابی کی اصل بنیاد ہیں، مشکلات اور مصیبتوں کو برداشت کرنا، مصائب کا پامردی سے مقابلہ کرنا اور ضبطِ نفس سے کام لینا، کسی قوم اور ملک کی ترقی کا زینہ ہیں۔

☆☆☆☆☆

حاجی سید محمد صابر حسینی ہنسوی کی وفات

جناب سید محمد صابر ہنسوی، اپنے وطن فتح پور ہنسوہ میں مختصر علالت کے بعد ۶۵ رسال کی عمر میں وفات پاگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ان کا تعلق خانوادۂ حسنی سے قرابت کا تھا، "تعمیر حیات" کے بانی مدیر مولانا سید محمد الحسنی مرحوم کے ماموں زاد بھائی تھے، کچھ مدت مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی میں تعلیم حاصل کی، پھر عصری تعلیم میں لگ گئے، جس کے بعد جدہ میں انہیں اچھی ملازمت مل گئی تھی، دوسروں کی مدد وتعاون کا بڑا جذبہ رکھتے تھے، اور اچھا مطالعہ تھا، رمضان المبارک کے ایام ندوۃ العلماء لکھنؤ اور تکیہ کلاں رائے بریلی میں بہت ذوق وشوق سے گزارتے تھے۔

ان کے بھتیجے سید محمد نعمان بن سید محمد عمران مرحوم اور قریبی رشتہ کے بھائی لکھنؤ شہر کے مشہور شاعر ڈاکٹر سید محسن فتحپوری نے بھی تھوڑے دن کے فرق سے وفات پائی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

☆☆☆

اصلاح وتربیت

ریاضت اور نفسانی خواہشات

●.....امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:"وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ" [الحشر:۱۸] (ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل (قیامت) کے واسطے اس نے کیا ذخیرہ بھیجا ہے)۔

اے انسان! تو یہ بات سمجھ لے کہ ''نفس امارہ'' تیرا شیطان سے بھی زیادہ بڑا اور خطرناک دشمن ہے، شیطان تجھ پر نفسانی خواہشات و شہوات کے ذریعہ طاقت اور زور پکڑتا ہے، لہٰذا تو نفسانی خواہشات کے دھوکے میں مت آجانا، اور دھوکہ نفس کی طبیعت میں سہولت پسندی، غفلت شعاری، راحت وعیش کوشی، لاپرواہی اور سستی ہے، یہ سب کی سب چیزیں باطل ہیں اور ان میں کی ہر چیز (نفس کا) دھوکہ ہے، اگر تو نے اس کی مان لی اور اس کی پیروی کر لی تو وہ تجھے جہنم میں لے جائے گا، اور نفس کبھی خیر و بھلائی کا حکم نہیں کرتا وہ تو مصیبتوں کی جڑ اور ناکامیوں اور رسوائیوں کا مخزن و معدن ہے اور وہ ابلیس کا خزانہ اور ہر شر کا ٹھکانہ ہے۔

جب آدمی اپنی آخرت کی فکر میں اپنی عمر کے گذرے ہوئے ایام میں تدبر، غور وفکر کرتا ہے، تو تفکر وتدبر دل کو دھو دیتا ہے، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:'' ایک لمحہ کے لیے کسی خیر و بھلائی کو سوچنا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے'' (کذا فی تفسیر ابی اللیث) لہٰذا عقلمند آدمی وہ ہے جو اپنے گذرے ہوئے گناہوں پر توبہ کرے اور آخرت کے بارے میں فکر کرے اور اس کے ذریعہ آخرت میں نجات پا جائے، اور امیدوں کو چھوٹا کر لے، توبہ کرتا رہے، اللہ کا ذکر کرتا رہے، منہیات سے بچتا رہے، اپنے نفس کو صبر کی تلقین کرتا رہے، اور خواہشات نفسانی کی ہرگز پیروی نہ کرے، نفس تو ایک بت ہے، جس نے نفس کی پیروی کی اس نے بت کی پوجا کی اور جس نے اخلاص کے ساتھ (خالصۃً للہ) اللہ کی عبادت کی تو وہ نفس کے قہر سے بچ گیا۔

حضرت مالک بن دینارؒ کے متعلق یہ بات ملتی ہے کہ آپ ایک مرتبہ بصرہ کے بازار سے گذر رہے تھے تو انجیر پر نظر پڑ گئی چنانچہ اس کو کھانے کا من کرنے لگا تو آپ نے اپنا جوتا نکال کر دکاندار کے حوالے کیا اور اس کے عوض انجیر طلب کرنے لگے، جب دکاندار نے جوتے کو دیکھا تو کہا: یہ اس کے بالکل بھی برابر کا نہیں (قیمتاً) (یہ جواب سن کر) حضرت مالک بن دینار آگے بڑھ گئے، کسی نے دوکاندار سے کہا: تجھے معلوم بھی ہے کہ یہ شخص کون ہے؟ دوکاندار نے لاعلمی کا اظہار کیا، تو کہنے والے نے کہا کہ یہ بزرگ مالک بن دینارؒ ہیں، اتنا سننا تھا کہ دوکاندار نے غلام کے سر پر انجیروں کی ٹوکری لاد کر آپ کے پاس روانہ کر دیا اور ساتھ ہی یہ تاکید کی اور یہ واضح کیا کہ اگر وہ تجھ سے یہ ٹوکری قبول کر لیں تو تو آزاد ہے، لہٰذا غلام سر پٹ دوڑتا ہوا حضرت مالک بن دینارؒ کے پاس پہنچا اور عرض کرنے لگا: آپ مجھ سے یہ ہدیہ قبول کر لیجیے، حضرت نے قبول کرنے سے انکار کر دیا، غلام نے کہا: حضرت قبول کر لیجیے، اس لیے کہ اس میں میری آزادی پنہاں ہے، تو حضرت مالک بن دینارؒ نے فرمایا: اس میں تیری آزادی ہے لیکن میری بربادی (عذاب) ہے، غلام اصرار کرتا رہا تو حضرت مالک بن دینارؒ نے فرمایا: میں نے قسم کھالی ہے کہ میں انجیر کے بدلے اپنا دین نہیں بیچوں گا، اور اب قیامت کے دن ہی اسے کھاؤں گا۔

حضرت مالک بن دینارؒ جب مرض الوفات میں مبتلا ہوئے تو آپؒ کو ایک پیالہ شہد اور دودھ کی خواہش ہوئی تاکہ اس میں گرم گرم چپاتی کا ثرید بنا کر تناول فرمائیں، چنانچہ خادم مطلوبہ اشیاء لے کر حاضر ہوا، آپ نے انھیں لیا اور ایک نظر بغور دیکھ کر فرمایا: اے نفس! تو نے اس کے لیے تیس سال صبر کیا ہے اور اب تو تیری عمر کے چند لمحے ہی باقی ہیں، اور پیالہ اپنے ہاتھوں سے چھوڑ دیا اور اپنے نفس کو صبر کی تلقین فرماتے رہے اور دنیا سے اسی حال میں رخصت ہوگئے، یہ حالتیں ہوتی ہیں، انبیاء، اولیاء، صادقین، عاشقین اور زاہدین کی۔

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اپنے نفس کو چت کر دینے والا تنہا شہر کو فتح کرنے والے سے بھی زیادہ بہادر اور جرأت مند ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: میری اور میرے نفس کی مثال بکریوں اور چرواہے کی طرح ہے کہ جب جب بھی بکری کسی طرف منہ مارتی ہے تو چرواہا اسے قابو میں کر لیتا ہے، ٹھیک اسی طرح میرا اور میرے نفس کا حال ہے، جو کوئی اپنے نفس کو زیر کرے گا تو رحمت کے کفن میں مکفون ہوگا اور کرامت والی زمین میں

مدفون ہوگا اور جس کا دل مردہ ہوگا وہ کفر جیسی لعنت میں مرے گا اور سخت پکڑ و آزمائش والی زمین میں مدفون ہوگا۔

حضرت یحیٰ بن معاذ الرازیؒ فرماتے ہیں: اطاعت و ریاضت کے ذریعے اپنے نفس سے جہاد کرو، اور ریاضت نام ہے شب بیداری، کم گفتاری، مخلوق خدا سے تکالیف کو دور کرنے اور کم کھانے کا، اس لیے کہ کم سونے (شب بیداری) سے ارادوں میں نکھار پیدا ہوتا ہے، کم گفتاری سے آفتوں میں سلامتی ملتی ہے، اور مخلوق خدا سے تکالیف کو دور کرنے سے مقاصد میں کامیابی اور منزل مقصود نصیب ہوتی ہے، کم کھانے سے شہوات مرتی ہیں اور زیادہ کھانا قساوت قلبی اور اس کے نور کے ختم ہونے کا سبب ہے، حکمت، بھوک (خالی پیٹ) سے آتی ہے اور شکم سیری اللہ تعالیٰ سے دور کردیتی ہے، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی ہے: اپنے قلوب کو بھوک کے ذریعہ منور کرو، اور بھوک و پیاس کے ذریعے اپنے نفوس سے جہاد کرو، ہمیشہ بھوک کے ذریعہ جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤ، اس لیے کہ اس کا اجر مجاہد فی سبیل اللہ کے اجر کی طرح ہے، اور اللہ تعالیٰ بھوکا و پیاسا رہنے سے زیادہ کوئی عمل محبوب نہیں اور آسمان کے فرشتے پیٹ بھرے آدمی کے پاس آنا بھی پسند نہیں کرتے نیز ایسا آدمی عبادتوں کی حلاوت سے بھی محروم رہتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کا ارشاد گرامی ہے: میں نے اسلام قبول کرنے کے بعد کبھی پیٹ بھر کھانا نہیں کھایا اور میں اپنے رب کی عبادت کی حلاوت محسوس کرتا ہوں، اور اسلام قبول کرنے کے بعد کبھی شکم سیری نہیں کی اس لیے کہ زیادہ کھانے سے عبادت میں کمی پیدا ہوتی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ جب آدمی زیادہ کھالیتا ہے تو اس کا بدن (جسم) بھاری ہوجاتا ہے، اس پر نیند کا غلبہ ہوجاتا ہے اور اس کے اعضاء ڈھیلے پڑ جاتے ہیں، پھر اس سے ہزار کوشش کے بعد بھی کچھ کام نہیں بن پاتا سوائے نیند کے کہ وہ ایک مردار کی طرح زمین پر پڑا سوتا رہتا ہے، اسی طرح کی بات حضرت حکیم لقمانؒ کی منہاج العابدین میں آئی ہے کہ آپ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: زیادہ سونے اور زیادہ کھانے سے پرہیز کرو، اس لیے کہ جو کوئی ان دونوں میں زیادتی کرے گا، وہ قیامت کے دن اعمال صالحہ سے خالی اور کورا مفلس بن کر آئے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے: زیادہ کھا کر اور زیادہ پی کر اپنے دلوں کو مردہ نہ بنالو، اس لیے کہ زیادہ کھانے سے دل اسی طرح مرجاتا ہے، جس طرح زیادہ پانی (ڈالنے) سے کھیتی مرجاتی ہے۔ صالحین نے اس بات کو تشبیہ دے کر سمجھایا ہے کہ ''معدہ'' دل کے نچلے حصے میں ایک ابلتی ہوئی ہانڈی کی طرح ہے جو ابلتی ہی رہتی ہے، جس سے دل کو بھانپ پہنچتی ہے، اور بھانپ کی زیادتی دل کو گدلا اور سیاہ کردیتی ہے، اور بسیار خوری، علم وفہم کو کم کردیتی ہے، عربی کا مقولہ ہے: "فان البطنة تذهب الفطنة" یعنی شکم سیری فہم وسمجھ کو یکسر ختم کردیتی ہے۔

حضرت یحیٰ بن زکریا علیہ السلام کے پاس ایک مرتبہ شیطان اس حال میں آیا کہ اس پر کئی چیزیں لٹکی ہوئی تھیں، حضرت یحیٰ علیہ السلام نے دریافت فرمایا: یہ کیا ہیں؟ شیطان نے کہا: یہ شہوات ہیں، جن کے ذریعے میں بنی آدم کا شکار کرتا ہوں، آپ علیہ السلام نے پوچھا ان میں میرے لیے بھی تو کچھ پاتا ہے؟ شیطان نے کہا: نہیں! سوائے اس کے کہ ایک رات آپ نے پیٹ بھر کر کھانا کھالیا تھا تو میں نے تم پر نماز مشکل کردی تھی، تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: آج سے میں کبھی پیٹ بھر کھانا نہیں کھاؤں گا، تو ابلیس نے جھٹ سے کہا: آج سے میں بھی کبھی کسی کو نصیحت و بھلائی کی بات نہیں بتاؤں گا۔

یہ حال ہے ان کا جنہوں نے پوری عمر میں صرف ایک رات پیٹ بھر کر کھانا کھایا تھا تو اس شخص کا کیا حال ہوگا، جو پوری عمر میں صرف ایک رات بھوکا رہے اور ہر دم پیٹ بھر کر کھانا کھاتا رہے؟ اور عبادت میں جی لگانے کی کوشش بھی کرے؟

حضرت یحیٰ بن زکریا علیہ السلام سے ہی مروی ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ خوب سیر ہوکر جو کی روٹی تناول فرمائی اور اسی سبب انہیں اپنے اور اوراد و وظائف کی تکمیل میں دقت پیش آئی، تب اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی نازل فرمائی کہ اے یحیٰ! کیا تیرے لیے میرے دَر سے بھی بہتر کوئی دَر ہے؟ یا میرے پڑوس سے بھی بہتر کوئی پڑوس ہے؟ میری عزت وجلال کی قسم! اگر جنت تجھ پر منکشف ہوجائے اور جہنم تجھے دکھلا دی جائے تو آنسوؤں کے بدلے خون رونے لگے اور ٹاٹ کے بدلے لوہے کا لباس پہننے لگے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو زندگی کے جملہ حالات میں نفسانی خواہشات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، تاکہ ہماری ٹوٹی پھوٹی عبادتیں غفلت و سستی کا شکار نہ ہوجائیں، آمین۔

ترجمہ: محمد عبداللہ خان اشرفی

☆☆☆☆☆

حالات حاضرہ

اسلام سے بیزاری کیوں؟

● .....مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

آج کل کچھ لوگ محض اس بنا پر اسلام سے نفرت کرتے ہیں کہ انہیں اسلام کو اپنانے میں اپنا اقتدار اور بالا دستی، اپنے مادی اغراض اور ذاتی مفادات کو خطرہ محسوس ہوتا ہے، حالانکہ یہ خیال نہایت ہی غلط ہے، اور یہ لوگ سخت دھوکہ میں ہیں، اسلام ہرگز ہرگز انسانی حقوق پر ظلم نہیں کرتا اور نہ اس کی صلاحیتوں پر کوئی بند لگاتا ہے، اسلام ہر انسان کو اس کا پورا پورا حق دیتا ہے، اس کے مقام و مرتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے توازن و اعتدال کے ساتھ اخلاقی اور اجتماعی تعلیمات کی روشنی میں اسے اس کا حق فراہم کرتا ہے، اسلام ان خود ساختہ نظاموں اور انسانی قوانین سے بالکل مختلف ہے، کچھ لوگ انسان کی طاقت اور اس کی زندگی کا نہایت غلط استعمال کرتے ہیں، اور اس کا اس قدر استحصال کرتے ہیں کہ وہ مصیبت زدہ رہ کر دنیا سے چلا جاتا ہے، لیکن آقاؤں کے گھروں میں دولت کے چشمے بہہ رہے ہوتے ہیں، جس نظام میں کسی مخصوص طبقہ کے ایک فرد کو حکمرانی سونپ دی جاتی ہے اور اسے پورا اختیار فراہم کر دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی خواہش اور مرضی لوگوں پر تھوپتا رہے، خواہ وہ منتخب حاکم، بدنام زمانہ ہی کیوں نہ ہو اور اپنے سیاہ کارناموں کے ساتھ شہرت رکھتا ہو، وہ نہایت بے باکی کے ساتھ ملک کی ساری دولت کے دہانے اپنی خواہش کی جانب پھیر لیتا ہے، اور دلچسپ بات تو یہ ہے کہ یہ سب جمہوریت کے خوشنما نام سے کیا جاتا ہے۔

یہ دور حاضر کی جمہوریتیں، آمریتیں اور سیکولر ازم کیا ہیں؟ قدرت سے بغاوت کرنے والے انسانی گھروندے، جن کا انجام بالآخر تباہی ہے، جو ایسے ڈھانچے ہیں جن کا ظاہر تو خوشنما لیکن اندرون چنگیز سے تاریک تر، ان تمام انسانی نظاموں کے دوزخ نہایت خوشنما، روشن اور چمکدار ہوتے ہیں، سادہ لوح عوام اور بھولے بھالے انسان ان کے ظاہری چمک دمک کو دیکھ کر فریب کھا جاتے ہیں اور اس کے گرویدہ و حامی بن جاتے ہیں، دوسرا رخ نہایت بدنما اور تاریک ہوتا ہے، اس پر ظاہر داریوں کا پردہ پڑا ہوتا ہے، اور خفیہ مواقع پر وہ اپنا کام کرتا ہے، یہ دوسرا رخ ہی اس کا حقیقی چہرہ ہے، اسی کے ارادوں کا وہ پابند ہوتا ہے، یہ چہرہ کیسا ہے؟ ناجائز نفع اندوزی کا چہرہ، ظلم کا چہرہ اور ہر قسم کے جرم کا چہرہ، لیکن یہ چہرہ نمایاں نہیں ہوتا، لوگ اس چہرہ سے واقف نہیں ہو پاتے اور بیشتر اوقات تو اس کی شناخت بھی مشکل ہوتی ہے۔

اسلام اس موقع پر سامنے آتا ہے، اس بدنما، تاریک اور مجرمانہ چہرہ سے نقاب اٹھا دیتا ہے، پھر دنیا دیکھ لیتی ہے کہ اس چہرہ کا کیا حال ہے، اس پر انانیت، ناجائز کمائی اور نفع اندوزی و جرائم کے کتنے داغ لگے ہوئے ہیں، اسلام انسان کی حقیقی تصویر اور اس کا اصلی روپ نظروں کے سامنے پیش کر دیتا ہے، وہ اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تو وہ مقام بلند عطا کیا ہے جس میں کوئی دوسری مخلوق اس کی شریک نہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا " [بنی اسرائیل:۷۰] (یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی، اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی)۔

اسلام تمام انسانوں کو ایک صف میں کھڑا کرتا ہے اور ان کے دلوں میں یہ حقیقت نقش کر دیتا ہے کہ ساری انسانیت ایک آدم کی اولاد ہے، اور حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت مٹی سے ہوئی تھی، یہ حقیقت بھی ان کے دلوں میں بٹھا دیتا ہے کہ فضیلت و برتری کا معیار صرف تقویٰ ہے، اگر تقویٰ اور خدا کا خوف کسی کے مرتبہ کو اونچا کرنے کا ذریعہ نہ بن سکے تو پھر کسی عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر، اسی طرح کسی کالے کو گورے پر یا کسی گورے کو کالے پر کسی قسم کی فوقیت حاصل نہیں، خدائے ذوالجلال نے اپنی لافانی کتاب مقدس میں یہ حقیقت واشگاف کر دی ہے، فرمایا:

" يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ" [حجرات:۱۳] (اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے، اور اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو کنبے اور قبیلے بنا دئے ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب میں باعزت

وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو، یقین مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے)۔

اس اسلامی مساوات کے نتیجہ میں جب تمام انسان ایک مقام و مرتبہ پر کھڑے نظر آتے ہیں اور معیار فضیلت محض تقویٰ قرار پاجاتا ہے تو اسلام ہر فرد بشر کو عقیدہ و کردار کی بنیاد پر اپنی سیرت کی تعمیر کے مکمل مواقع فراہم کرتا ہے، اور یہی نہیں بلکہ اپنی قبائے کردار کو آراستہ کرنے کے لیے فضائل و محاسن کے زریں تکمے بھی مہیا کرتا ہے اور اس سیرت کو داغدار بنادینے والی چھوٹی بڑی تمام چیزوں سے متنبہ کردیتا ہے، قرآن حکیم اس قیمتی ہدایت کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

"وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا" [حشر:۷] (اور تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ)۔

گویا اسلام نے پیغمبر اسلام کی مبارک زندگی کی صورت میں ایک مکمل آئیڈیل فراہم کردیا ہے، آپ کی جامع حیات طیبہ کے ہر گوشہ میں رہنمائیاں بکھری ہوئی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، اخلاق، اعمال و اقوال، ارشادات اور احکامات غرض مختلف سورتوں میں نہایت وضاحت اور تفصیل کے ساتھ تعلیمات و ہدایات دی گئی ہیں، قرآن کا ارشاد ہے:

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْراً" [احزاب:۲۱] (یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ کی یاد کرتا ہے)۔

اس پاکیزہ سیرت کے سانچہ میں ڈھلنے اور اس اسوہ و نمونہ کو زندگی کے ہر گوشہ میں اپنا لینے کے بعد سچی کامیابی اور سعادت یقینی ہے، اس نمونۂ زندگی اور پیکر حیات کے سامنے آنے کے بعد کوئی بھی انسان اسلام سے نفرت نہیں کرسکتا، اس کے حاشیۂ خیال میں بھی اسلام بیزاری کا کوئی نقش نہیں ابھرے گا، کیونکہ اسلام کی یہ عملی تصویر اور اس کا سچا روپ انسانی فطرت کی متاع گمشدہ ہے، انسان اپنی طبیعت و فطرت کے عین تقاضوں کو پاکر ایک کیف و لذت محسوس کرتا ہے، ایک روحانی سرور جس کا اظہار الفاظ میں نہیں کیا جاسکتا، اس جوہر نایاب کو پالینے کے بعد کیوں کسی انسان کو کوئی ڈر اور خوف محسوس ہوگا اور کیوں اسے دور خے پن اختیار کرنے کی ضرورت پیش آئے گی، وہ منافقانہ رویہ کہ موقع و منفعت کے لحاظ سے ایک چہرہ کو ظاہر کرے اور دوسرے کو چھپالے، اسے چند کھنکھناتے سکے اور عہدہ و کرسی اپنا اسیر نہیں بناپاتے، وہ اپنی معمولی اغراض کی خاطر جمہوریت، اشتراکیت اور سیکولرازم کے جھوٹے نعروں کے ہتھیار استعمال کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

واقعہ ہے کہ اسلام کے سایہ تلے انسان کو سکون و مسرت اور قلبی شادمانی کی عجیب اور عظیم دولت نصیب ہوتی ہے، ایک اندرونی فرحت و اطمینان اسے بے خود کیے رہتا ہے، اس کے شب و روز امن و عافیت کے سایئے میں بسر ہوتے ہیں، ان خوشیوں میں نہال ہوکر وہ عہدہ و کرسی اور مال و دولت کو بھلا دیتا ہے، بلکہ اگر یہ چیزیں اس کے قدموں پر آکر گرتی بھی ہیں تو وہ انہیں کمال بے نیازی سے ٹھکرا دیتا ہے، زندگی کی الجھنوں میں الجھ کر وہ اپنی پرسکون زندگی کی مسرتوں کو بے مزہ نہیں کرنا چاہتا، اگر کچھ قبول کرتا بھی ہے تو محض رب کو خوش کرنے اور ضمیر مطمئن کرنے کی خاطر، اپنی دینی اور ایمانی ذمہ داریوں کو انجام دینے کی غرض سے اور اپنے فرائض کو ادا کرنے کے مقصد سے۔

اے کاش! آج لوگوں نے ان تعلیمات اور ان بے مثال ہدایات کی روشنی میں اسلام کو سمجھا ہوتا، اسلام کے خلاف پھیلائے جانے والے جھوٹے پروپیگنڈوں، افواہوں اور بے جا خوف کے دبیز پردوں کو اپنے ذہن و دماغ سے نوچ کر پھینک دیا ہوتا اور پھر بصیرت کی بے داغ روشنی میں حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کرتے۔

☆☆☆☆☆

مولانا قاضی سید مشتاق علی ندوی کو صدمہ

مولانا سید مشتاق علی ندوی قاضی شریعت بھوپال و رکن مجلس انتظامی ندوۃ العلماء لکھنؤ کے والد ماجد حاجی سید یوسف علی کا ۲۶ر جولائی ۲۰۲۰ء مطابق ۴ر ذی الحجہ ۱۴۴۱ھ کو بھوپال میں انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان کی عمر ۸۶ر برس تھی، جماعت دعوت و تبلیغ سے قدیم تعلق تھا، اور حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کے زمانہ سے تھا، اپنے سارے صاحبزادگان کو انہوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تعلیم دلائی۔

ان میں بڑے مولانا سید مشتاق علی ندوی ہیں، جنہوں نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں بھی پڑھا، دوسرے مولانا سید اشتیاق علی ندوی، تیسرے مولانا سید یعقوب علی ندوی اور چوتھے مولانا ڈاکٹر سید ایوب علی ندوی ہیں، اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند کرے، آمین۔ ☆☆

فکرمعاصر

تجدد کے نام پر تقلید مغرب کی دعوت

.....مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

محققین اور اصحاب فکر ونظر کا خیال ہے کہ کسی حقیقت کے بارے میں تسلیم ویقین کے بجائے شک وشبہ مزید علم وتحقیق کا ذریعہ ہے اور اس تلاش و جستجو سے نئے گوشے کھلتے اور نئی حقیقتیں سامنے آتی ہیں، کیونکہ علم کوئی جامد چیز نہیں ہے جو ہمیشہ یکساں اور ایک حالت پر رہے؛ بلکہ انسان کی فہم اور اس کا مزاج بدلتا رہتا ہے، اس کی طبیعت ترقی پذیر ہے، اس میں ہر نئی تحقیق ونظریہ اور فکر سے نئی بات اور نیا حوصلہ پیدا ہوتا ہے، ایک ہی موضوع پر مختلف انداز اور مختلف زوایہ سے غور کرنے والے الگ الگ نتائج اخذ کرتے ہیں اور مختلف شکلوں میں اس کو پیش کرتے ہیں، اسی لیے رجحانات اور نظریات کے اعتبار سے اختلاف رائے بھی ہوتا ہے، ایک مفکر اور صاحب نظر دوسرے کی فکر ورائے کو بے کم وکاست قبول نہیں کرلیتا، ایک تحریک کا بانی دوسرے قائد اور بانی کے وضع کردہ اصول وتحریک پر کلمہ توحید کی طرح ایمان نہیں لے آتا، اور حقیقت یہ ہے کہ علمی میدان میں اور آج کے سائنسی دور میں نئے نئے انکشافات اور نئی دریافتیں اسی شک وشبہ اور عدم قبول کی دین ہیں، اہل مغرب، سائنس اور تحقیقات کے تقدس پر ایمان نہیں لاتے اور نہ وہ کسی نظریہ کو محض ایک نظریہ ہونے کی وجہ سے بغیر تحقیق کے قبول کرتے ہیں، بلکہ تقلید اور اتباع محض کی سب سے زیادہ انھوں نے مخالفت کی، اور مشرق والوں کے ذہن میں یہ اصول راسخ کردیا جس پر مشرق کے مغرب زدہ علماء عمل پیرا ہیں، لیکن یہ تعجب کی بات ہے کہ مشرقی سادہ لوح انہی اہل مغرب کی تقلید اور ان کی تحقیقات کے سامنے عقیدت مندی کے اظہار پر فخر محسوس کرتے ہیں۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

مغرب کی کورانہ تقلید

مشرقی قوموں کے نزدیک اہل مغرب کی تحقیقات، بدیہیات سے کسی طرح کم نہیں، چنانچہ عقل ونقل کے درمیان تعارض کے وقت نقل و روایت کو ہفوات وخرافات سمجھ کر نظر انداز کردیا جاتا ہے کیونکہ عقل اور سائنس ہی ان کے نزدیک معیار حکمت اور صحیح وصواب کا تھرمامیٹر ہے، لیکن اگر یہی نقل مغربی روایات سے ماخوذ ہو تو ہر طرح قابل ترجیح اور لائق عمل ہوجاتا ہے۔ آج مغربی علوم سیکھنے والے مسلم دانشور اور تہذیب نو کے پروردہ لوگ تہذیب وثقافت میں، علم وتحقیق میں اور سائنسی تجربات میں مغرب کے تقدس مآبی پر ایمان لاچکے ہیں، ان کے نزدیک اہل مغرب سے کسی چیز میں غلطی کیا لغزش اور چوک بھی امکانیات سے بالاتر ہے، خواہ وہ نظریات، مشرقی نظریات، مشرقی قدروں، زندگی کے مشرقی اصول، مشرقی طرز فکر اور مشرق کی جغرافیائی خصوصیات سے کتنے ہی مختلف اور متصادم کیوں نہ ہوں اور اہل مشرق کی دینی حمیت وغیرت اور قومی تشخص کے لیے مضر اور مہلک کیوں نہ ہوں، لیکن وہ مغرب کی وفاداری میں ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار ہیں اور اپنے تمام تشخصات وامتیازات اور قومی وجود سے بہ رضا و رغبت دستبردار ہونے پر آمادہ ہیں، چنانچہ مشرقی انسان اور خصوصاً مسلمان جو سیاست وثقافت اور نظریات کے حملوں کا براہ راست نشانہ ہے وہ اہل مغرب کے سامنے ایک سعادت مند شاگرد بن چکا ہے اور زندگی کے تمام شعبوں میں اپنے استاد مغرب کے نشان قدم پر چلتا ہے، یہ مشرقی انسان اپنے ذاتی جذبات، احساسات وکیفیات اور فکری آزادی سے یکسر محروم ہوچکا ہے کیونکہ وہ اپنے استاد کے کمالات پر یقین کرکے اس کو لغزشوں اور غلطیوں سے ماوراء سمجھنے لگا ہے، وہ پوری طرح مغرب کا ہوچکا ہے، اس کا جسم مشرقی ہے لیکن روح وفکر مغربی ہے، مغرب سے آنے والے علوم وافکار کی عظمت اور ان کے ساتھ عقیدت ونیازمندی کا یہ مزاج عالم اسلام کے دور انحطاط میں سامراجی سائے میں پیدا ہوا۔ سامراجی حکومت میں قائم ہونے والی تعلیم گاہوں اور تربیتی اداروں نے مغربی سیلاب میں آنے والے ہر خس وخاشاک کو لائق صد احترام بنانے میں نمایاں کردار ادا کیا اور ذہنوں پر مغربی برتری کا ایسا گہرا اثر ڈالا جو حالات بدلنے کے بعد بھی ذہنوں سے نہیں نکل سکا۔

ذہنی غلامی

اب وہ دور گذر چکا، مشرقی قومیں اور خصوصاً مسلمان مغربی غلامی سے آزاد ہوگئے ان کی اپنی حکومتیں قائم ہوگئیں جن کی باگ ڈور مشرقی لوگوں کے ہاتھوں میں ہے، ان کے مدارس اور یونیورسٹیاں اور ان کی علمی وتحقیقی اکیڈمیاں قائم ہیں؛ لیکن مسلمانوں کی اس ترقی کے بعد آج بھی ان کے اداروں میں، افراد میں جس جوہر اور جس متاع گرانمایہ کی کمی ہے، وہ ہے آزادی فکر، خود اعتمادی، اجتہاد اور اختراع، وہ آج مغرب سے آزاد ہوکر بھی ذہنی غلامی کے شکار ہیں۔ وہ یورپین عینک سے دیکھتے اور اسی کسوٹی پر پرکھتے اور اسی دماغ سے سوچتے ہیں،

اصلاح وتربیت کے ذمہ دار معلمین واساتذہ جنھیں نئی نسل کے اندر بلند حوصلگی کی جان ڈالنی چاہئے، قوم کی خوابیدہ طاقتوں کو بیدار کرنا چاہئے اور ترقی کے لیے نئی راہ بنانے کے لیے تیار کرنا چاہیے، وہ نونہالان قوم کو مغرب کے ساتھ صرف شمولیت اور شریک رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔

مغرب سے مرعوبیت

چنانچہ مشرقی انسان نے ترقی کی راہ میں پچھلی صفوں میں رہنا پسند کیا، اور اس دوڑ اور ریس کے زمانہ میں اپنے لیے آخری صفوں کا انتخاب کیا، ہمارا تعلیمی نظام ہو یا سیاسی نظام یا اقتصادی یہاں تک کہ سماجی اور عائلی نظام بھی مغرب کی پیروی اور نقالی کی بنیاد پر قائم ہے اور سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ ہمارا ادب اور تنقیدی قدریں بھی بڑی حد تک مغربی تعلیم کے نتیجہ میں تقلید مغرب کا شکار ہوگئی ہیں، جس کی ہمت وحوصلہ کی انتہائی پرواز تماشائی بننا یا زیادہ سے زیادہ شریک کار رہنا ہو وہ مقابلہ اور پیش قدمی کو کیونکر سوچ سکتا ہے؟ وہ تقلید واتباع اور ذہنی غلامی کی بنا پر فکر وعمل کی آزادی، ایجاد واختراع اور انکشاف ودریافت کے میدان میں آنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا، کیونکہ اس کے خیال میں قافلہ سالار ہونا اور قائد ورہنما بننا اس کے عبقری استاد مغرب کے سوا دوسرے کو زیب نہیں دیتا، ہمارے عصری تعلیم یافتہ طبقے پر اس کورانہ تقلید نے ایسا جادو کیا ہے کہ وہ مشرقی کے کارناموں اور فضل وکمال کو قابل اعتناء نہیں سمجھتے، ارسطو اور دیگر یونانی فلاسفہ کا ذکر صرف اس بنا پر کرتے ہیں کہ یہ یونانی فلاسفہ، مغرب کے استاد اول ہیں، ورنہ ان کو تو مسلم فلاسفہ کے ذکر سے شرم آتی ہے جو یونانی فلسفہ کے نہ صرف ماہر بلکہ فلسفہ ومنطق میں اعلیٰ مقام اور انفرادیت کے حامل تھے، امام غزالی جیسا عبقری جس نے فلسفہ یونان کی تردید اور جوابات سے اس کی عظیم الشان عمارت کو متزلزل کردیا، اور امام رازی جنہوں نے فلسفہ کا طلسم توڑ کر رکھ دیا اور مولانا جلال الدین رومی، ابن خلدون اور دیگر علماء مصلحین کی طرف انتساب کو یہ لوگ اپنے لیے عار سمجھتے ہیں، اور اس کو قدامت پسندی سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن حیرت ہے کہ ان حکمائے اسلام سے صدیوں قبل پہلے سے یونانی فلاسفہ، ارسطو، جالینوس وغیرہ کی طرف نسبت کو یہ ترقی اور تجدد کی علامت قرار دیتے ہیں۔

اور سب سے زیادہ افسوسناک اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ تحقیق وریسرچ کرنے والے مسلمان، اسلامیات کے سلسلے میں مستشرقین پر اعتماد کرتے ہیں اور اسلامی علوم وفنون میں مستشرقین کی تشریحات اور تصنیفات ان کے لیے مرجع اور مآخذ ہوتی ہیں اور وہ یہ محسوس نہیں کرتے کہ کہاں کہاں ان مستشرقین نے غلط بیانی سے کام لیا، اور کہاں کہاں اپنے قاری کو دھوکہ دینے کی کوشش کی، اور کس طرح بے بنیاد باتوں کا سہارا لے کر ایک مضبوط اور پختہ بنیاد پر قائم اسلامی پرشکوہ عمارت کو ڈھانے کی کوشش کی۔

صلیبی روح اور عناد

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تہذیب وثقافت کے مرکز بغداد واندلس کے زمانہ عروج میں یورپ اپنے انتہائی تاریک دور سے گذر رہا تھا اس وقت وہاں کلیسائی ظلم عام تھا اور علمی خزانے کئی تالوں میں بند تھے، مسلمانوں کے علمی مزاج، آزادئ فکر اور فراخ دلی نے ان علوم کو عام کیا، اور بغداد واندلس کے عہد انحطاط سے یورپ میں بیداری پیدا ہوئی، یورپ نے مسلمانوں سے تہذیب وثقافت لی اور حکمائے اسلام ابن سینا وفارابی سے فلسفہ ومنطق سیکھا، لیکن یورپ اپنے عناد، قومی غرور اور اسلام دشمنی کی بنا پر مسلمانوں کا منت کش نہ ہوا، مغرب کے دل میں اس کی بیداری کے روزِ اول سے ہی صلیبی جنگوں کی وجہ سے اسلام دشمنی کے شرارے روشن تھے، یورپ نے مسلمانوں سے علوم حاصل کرنے کے وقت بھی خود کو مسلمانوں کا ممنون کرم نہیں سمجھا اور نہ تقلید واتباع کے لیے تیار ہوا، یورپ کا دل مسلمانوں کی طرف سے کبھی صاف نہیں رہا، اس کی دماغی صلاحیت مسلمانوں کے خلاف مصروف کار رہی، تمدن و تہذیب، حکومت وسیاست اور علم وفن کی گرم بازاری میں بھی مسلمانوں سے مقابلہ اور آزادی کے جذبات نے ان کے اندر روح کو سرگرم عمل رکھا، اور وہ تدریجاً آگے بڑھتے رہے، بالآخر اپنی علمی مہارت وکمال کے ذریعہ بدلتی ہوئی انسانی زندگی اور انسانی طبیعت کے مطابق نئے نئے نظریات اور تصورات قائم کیے اور انہی نظریات وفلسفات کے ذریعہ مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے اور انھوں نے اپنا تشخص نظر انداز نہ کیا اور نہ اپنی مذہبی انفرادیت، بلکہ عصبیت اس علمی وثقافتی استفادہ کے باوجود کم نہ ہونے دی جو مستشرقین کی کتابوں اور تحقیقات سے ظاہر ہے۔

نقل وتقلید کا طوق

اس طرح مغرب، بہت کم وقت میں شاگردی کے دور سے گذر کر استادی کے مرحلہ میں داخل ہوگیا، اور آج کے مسلمان جنہوں نے عصری علوم حاصل کیے، مغربی دانشوروں کو بہت قریب سے دیکھا اور سمجھا اور اسلامی ملکوں میں کالج اور یونیورسٹیاں قائم کیں، علمی وفکری میدان میں روز افزوں ترقی کرتے رہے، لیکن ان مراحل سے گذر کر ترقی کے اس طویل ترین عبوری دور کے بعد آج تک وہ مغرب سے علیٰحدہ نہ ہوسکے، وہ نقل وتقلید کا طوق ڈالے رہے، اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کرنے کے لیے اور ابتکار واختراع کے میدان میں قدم رکھنے کے لیے خود کو آمادہ نہیں کرسکے، تہذیب و

ثقافت علم وفن، تحقیقات و نظریات اور تمدن و سیاست ہر میدان میں خود کفیل ہونے کی کوئی کوشش انہوں نے نہیں کی، اور یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی قوم تا آنکہ وہ تقلید کا طوق نہ اتار پھینکے فکر ونظر کا دروازہ اس کے لیے کھل نہیں سکتا، فکری ونظری سوتے خشک ہوجاتے ہیں اور وہ قوم فکری طور پر بانجھ ہوجاتی ہے، عصر حاضر کے مسلمانوں کے مغرب سے بچھڑ جانے کی سب سے بڑی وجہ ان صلاحیتوں کے بارے میں اپنے اندر منفی پہلو اپنانا اور اس پر یقین کرنا کہ فطری طور پر ان کے اندر اختراعی صلاحیت کی کمی ہے، اور قدرت نے ان کے حصے میں یہ دولت کم رکھی ہے بلکہ تقلید ومحاکات اور نقل واتباع ہی ان کا فطری حصہ ہے اور رہی سائنسی تحقیقات، فکری پرواز، ایجاد واختراع تو یہ ایک ہی قوم مغرب کی میراث ہے۔

عزم وحوصلہ اور احساس برتری کی ضرورت

یہ تو واضح طور پر مغرب سے مرعوبیت ہے، غور کرنے کی بات ہے کہ یورپ نے کس سے سیکھا؟ اور مغرب اپنی بیداری سے قبل گمنامی اور جہالت کی پرتوں میں لپٹا ہوا تھا اور یہ سوچنا بھی مشکل تھا کہ کبھی یہ پرتیں ہٹیں گی اور یورپ ان سے باہر نکلنے میں کامیاب ہوسکے گا؟ سطور بالا میں یہ بات کہی جاچکی ہے کہ مغرب کو یہ مقام مسلمانوں نے بخشا، قدرت نے ذہنی ودماغی صلاحیتیں کسی ایک زمانے یا کسی ایک قوم اور رنگ ونسل یا کسی خاص سرزمین کے بسنے والوں کے لیے مخصوص نہیں کیں؛ بلکہ قدرت کا یہ فیض سارے بنی آدم کے لیے عام ہے، اس چھپی ہوئی صلاحیت سے فائدہ اٹھانے کے لیے صرف ارادہ اور عزم کی ضرورت ہے:

یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھالے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

اقوام مشرق اور بالخصوص مسلمانوں کے اندر سے مغرب کے بارے میں اس تفوق وبرتری کا احساس ختم ہونا چاہیے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ خود پیش قدمی نہ کرے، اور قافلہ سالار بننے کی کوشش نہ کرے، مسلمانوں کا وہ تعلیم یافتہ طبقہ جس کو مغرب سے پوری واقفیت حاصل ہے اور مغربی علوم پر دسترس رکھتا ہے، موجودہ اجتماعی حالات کی روشنی میں عالم اسلام کے مخصوص حالات وضرورتوں اور اسلامی اقدار ونظریات کی روشنی میں جائزہ لے اور تمام علوم میں بحث وتمحیص کے لیے آمادہ ہوجائے خصوصاً نفسیات، اقتصادیات، اجتماعیات، سیاسیات، طبیعیات اور زبان وادب میں پھر ان علوم کو غیر مفید اور غیر ضروری حصے سے علیٰحدہ کرکے ان کو صحت منداور مفید بنا کر ترقی دے۔

انسانی شرافت وعزت اور آزادی کے حصول اور اسلامی تشخص کے باقی رکھنے اور سامراج کے مقابلے کے لیے یہی بہتر اور صحیح راستہ ہے، اس طرح عصری علوم اور سائنسی تحقیقات، انکشافات و تجربات کے ذریعہ تھوڑے ہی عرصہ میں مغربی سائنسدانوں اور یورپین مفکرین اور دانشوروں کو وہ پورے اعتماد اور پوری قوت سے مخاطب کرسکیں گے، اور یہ کہہ سکیں گے: "وَمَا أُوتِيتُم مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا" تمہیں تو دریا سے ایک قطرہ ہی ملا ہے۔

☆☆☆☆☆

دعائے مغفرت

☆ حاجی عبدالحق ندوی اسہی اعظم پوری کی اہلیہ محترمہ کا ۷۵/سال کی عمر میں مورخہ ۷/ذیقعدہ ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۹/جون ۲۰۲۰ء بروز دوشنبہ سندیلہ کے ایک پرائیوٹ اسپتال میں انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

نماز جنازہ مرحومہ کے شوہر مولانا عبدالحق ندوی ہی نے پڑھائی، اور اسہی اعظم پور سندیلہ کے آبائی قبرستان میں افراد خاندان واہل تعلق کی موجودگی میں تدفین عمل میں آئی، جانشین مفکر اسلامؒ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ سے مرحومہ بیعت تھیں، اور ایک نیک، پاکباز، خدا ترس اور عبادت گزار خاتون تھیں۔

پسماندگان میں شوہر محترم مولانا حاجی عبدالحق ندوی اسہی اعظم پوری (جو ندوہ میں ۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۳ء تک زیر تعلیم رہے)، چار بیٹے (عبدالولی، عبدالمعیز، نجم الحق، احمد الحق) اور چار بیٹیاں ہیں۔

☆ مولانا عبدالقیوم شاکر اسعدی بستوی ناظم مدرسہ اصلاح المسلمین جمدا شاہی بستی وخلیفہ حضرت مولانا اسعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم مظاہر العلوم سہارنپور کا چند روز قبل جمدا شاہی بستی میں ہی مختصر علالت کے بعد انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم ۸۵/سال کے تھے، بڑے صالح، ذاکر، شاغل اور دعوت وتعلیم کی فکر رکھنے والے عالم دین اور علاقہ میں بہت مقبول تھے، جہاں انہوں نے یکسوئی سے تعلیم ودعوت کے کام میں پوری زندگی گزار دی، مولانا اسعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا شعری مجموعہ "کلام اسعد" انہی کا مرتب کردہ ہے۔

☆ مولانا شکیل احمد ندوی الہ آبادی رکن کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی، ندوۃ العلماء لکھنؤ کی چچی جان، ڈاکٹر مسیح اللہ خان کی زوجہ محترمہ اور ڈاکٹر وسیم احمد ندوی الہ آبادی کی والدہ ماجدہ کا ۲۱/اگست ۲۰۲۰ء مطابق ۲۶/ذی الحجہ ۱۴۴۱ھ بروز جمعہ بعد نماز عصر اپنے وطن میں انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ نماز روزہ کی پابند، اور نیک وصالح خاتون تھیں، پسماندگان میں ۶/بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان سب کی مغفرت فرمائے، اور جنت الفردوس میں مقام عطا کرے۔

قارئین سے بھی دعا کی درخواست ہے۔

☆☆☆

یاد رفتگاں

مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری مرحوم

● ....مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی

بتاریخ ۲۶/رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ بروز منگل دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کا ممبئی میں سانحۂ ارتحال پیش آیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اس ناچیز سے مفتی صاحب کا پہلا تعارف ۱۹۶۷ء میں ہوا تھا، جب وہ مدرسہ اشرفیہ راندیر میں پڑھا رہے تھے، خاص طور سے ابوداؤد شریف کا سبق ان سے متعلق ہوا، اس وقت تک میری کتاب ''محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے'' منصۂ شہود پر آچکی تھی، اس لیے فلاح دارین کے مہتمم مولانا عبداللہ کاپودروی مرحوم جو مجھے ترکیسر لائے تھے، انہوں نے ایک روز راندیر کے سفر کا پروگرام بنایا، انہوں نے بتایا کہ مدرسہ حسینیہ میں مولانا شمس الدین افغانی بڑے فاضل آدمی ہیں، انہیں آپ سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے، ان کے شاگردوں نے جن میں مولانا عبدالرحیم متالاؒ اور مولانا غلام محمد ؒپٹیل وغیرہ نے آپ کا ان سے بڑا ذکر خیر کیا ہے، اس کے علاوہ مولانا ہاشم بخاری اور مولانا سعید احمد پالن پوری ہمارے گجرات کے نوجوان اچھے مدرس اور عالم ہیں، انہوں نے اپنے یہاں آپ کو شام کے کھانے پر مدعو کیا ہے، اس لیے ہم مولانا کے ہمراہ راندیر گئے، وہاں مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری کے ہاں مہمان رہے، رات کا کھانا اور قیام انہیں کے ہاں رہا، مفتی سعید احمد سے ملاقات سے اندازہ ہوا کہ مولانا بہت ہی صاحب ذوق، کتابوں کے حریص، پڑھنے لکھنے کا اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں، اس طرح مفتی سعید احمد مرحوم سے تعلقات کی ابتدا ہوئی، پھر کثرت سے ترکیسر ان کی آمد و رفت رہی، مجھے بعض کتابوں کی ضرورت تھی، اس کو مفتی صاحب نے عاریۃً فراہم کیا، راندیر میں انہوں نے میرے بیانات بھی کرائے، زمانہ گزرتا گیا، وہاں سے میری سہارن پور ''بذل المجھود'' کی خدمت کے لیے ایک سالہ چھٹی لے کر حاضری ہوئی، سہارن پور کے قیام میں مولانا عبد اللہ کاپودروی کی جب بھی آمد ہوئی تو انہوں نے مفتی صاحب کا سلام و پیام پہنچایا، اس کے بعد میرا قاہرہ، حجاز مقدس اور پھر ابوظبی کا سفر ہوگیا۔

حرمت مصاہرت کے بارے میں ابوظبی میں حنفیہ کے مسلک کے بارے میں مجھ سے سوالات کیے گئے، اس سلسلے میں معلوم ہوا کہ مولانا کی کتاب ''حرمت مصاہرت'' طبع ہوچکی ہے، اس کو میں نے منگوایا اور استفادہ کیا، اس نازک مسئلہ میں جس طرح انہوں نے گفتگو کرکے اپنے مسلک کو واضح اور مدلل کیا ہے، اس کو پڑھ کر طبیعت باغ باغ ہوگئی، اس کے بعد جب وہ دارالعلوم دیوبند منتقل ہوکر آگئے، ان کا دورہ کے بڑے اساتذہ میں شمار ہونے لگا، وہاں ترمذی شریف وغیرہ اونچی کتابیں ان کے ذمہ کی گئیں، اس زمانے میں میرا سہارن پور مظاہر علوم مجلس شوریٰ میں جانا ہوا، دیوبند بھی حاضری ہوئی، مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ میرے میزبان تھے، مولانا بھی مہمان خانہ میں تشریف لائے اور ملاقات ہوئی، انہوں نے اپنے بعض رسائل ہدیہ کیے، بعد میں بار بار سہارن پور اور دیوبند کا سفر ہوا، وہ مہمان خانہ تشریف لاتے، کبھی ان کے جائے قیام چائے کے لیے حاضری ہوتی، ان کے کتب خانہ پر نظر ڈالی، بہت ہی خوشی ہوئی، انہوں نے اپنی مؤلفات مجھے ہدیۂ عنایت فرمایا، دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی، اور شکر گزار رہا۔

ان کے اہم کارناموں میں ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کی خدمت اور اس کا حاشیہ ہے، انہوں نے مولانا عبیداللہ سندھی کی تقریر جس کو اردو سے عربی میں منتقل کیا گیا ہے اس کو بھی حاصل کرلیا اور یہ کتاب بیروت دار ابن کثیر سے ۲/جلدوں میں شائع ہوئی، ہمارے لڑکے اس کتاب کو شارقہ معرض سے خرید کرلائے، دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی، مولانا سے میں نے دریافت کیا کہ اس کے حقوق بھی آپ کو دیے یا نہیں؟ انہوں نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں، کتاب چھپ گئی الحمد للہ، یہی بڑی بات ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ اس کے کچھ حقوق ناشر نے ان کو ادا کیے۔

مولانا مرحوم نے اپنے پیچھے تالیفات کا ذخیرہ چھوڑا ہے، جو ان کی جامعیت و رسوخ فی العلم پر بہت بڑی دلیل ہے، ایک طرف تو وہ مقاصد شریعت اور اس کے اسرار کی عظیم کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کی شرح کررہے ہیں، دوسری طرف حدیث شریف کی بخاری شریف اور ترمذی شریف جیسی کتابوں کی تدریسی و تالیفی لحاظ سے بھی

خدمت کررہے ہیں، انہوں نے اپنے پیچھے بڑا علمی سرمایہ چھوڑا ہے، ترمذی شریف کی شرح ''تحفۃ الألمعی'' ۸ رجلدوں میں شائع ہوگئی ہے جو طلبہ اور علماء کے لیے رہنمائی کا کام کرتی رہے گی۔

مجھ سے انہوں نے فون پر کہا کہ آپ کی تحقیق سے جو "بذل المجهود" شائع ہوئی ہے، اس کو میں پابندی سے اپنے مطالعہ میں رکھتا ہوں، اخیر میں میں نے اپنی کتاب "الجامع الكبير (سنن الترمذی) ومعه الكوكب الدرى على جامع الترمذی" کو ہدیۃً بھجوایا تو اس پر بھی بہت مسرت کا اظہار کیا کہ الحمدللہ متن کے ساتھ ہمارے اکابر کی باتیں عالم عرب میں بھی آگئیں اور صاحب تحفۃ الاحوذی کا آپ نے جابجا جواب بھی دیا ہے۔

ان کی کتاب ''تحفۃ القاری'' جو بڑی محنت اور مشقت اور ان کی نظر ثانی کے بعد ۱۲ رجلدوں میں شائع ہوچکی ہے، وہ بھی طلبہ کے لیے ایک قیمتی تحفہ ہے، اس کے بعد میں نے اپنی "الجامع الصحيح للإمام البخاری مع حاشية السهارنفوری" جو پہلے ۱۵ رجلدوں میں اور بعد میں ۶ رجلدوں میں شائع ہوئی ہے، دونوں کتابیں ان کی خدمت میں بھجوائیں، ہمارے دوست محترم مولانا محمد یونس جون پوری مرحوم سابق شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم اسی نسخۂ بخاری میں پڑھاتے تھے، اس سے میری بہت حوصلہ افزائی ہوئی۔

مفتی صاحب مرحوم کو جب معلوم ہوا کہ میری تحقیق سے " المواهب اللطيفة فی شرح مسند الإمام أبی حنيفة" جو علامہ عابد سندھیؒ متوفی ۱۲۵۷ھ کی تالیف ہے جو شاہ عبدالغنی مجددیؒ کے بھی شیخ ہیں، ۷ رجلدوں میں بیروت سے طبع ہوچکی ہے، جب مجھے معلوم ہوا کہ اس کتاب کے وہ بہت مشتاق ہیں، اور ان کی طرف سے ایک نمائندہ اعظم گڑھ آیا، اس ناچیز نے ہدیۃً یہ کتاب ان کو بھجوائی، انہوں نے اسے دیکھ کر فون پر بہت ہی مسرت وخوشی کا اظہار کیا۔

اسی طرح مولانا کی کتابوں پر نظر ڈالنے کے بعد اندازہ ہوا کہ وہ منطق وفلسفہ، علم کلام پر بھی بڑی گہری نظر رکھتے تھے، مبادئ الاصول جو فقہ کی بنیادی اصطلاحات پر مشتمل ہے، معین الاصول اس کی شرح، آپ فتوی کیسے دیں، یہی نہیں بلکہ ان کی آسان صرف، آسان نحو بھی مبتدی طلبہ کے لیے شائع کی حتی کہ آسان منطق، آسان فارسی قواعد اور مفتاح العوامل بھی تالیف کی، یہ وہ سارے رسائل ہیں جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ابتدائی کتابوں کو پڑھاتے وقت انہوں نے طلبہ کو سامنے رکھ کر ان کو سہل بنا کر ان کے سامنے پیش کیا، دوسری طرف دورہ حدیث کے طلبہ وعلماء کے لیے ایسی عظیم الشان کتابیں تالیف کیں جس کا ذکر اوپر کرچکا ہوں، تیسری طرف ان کی فتاوی پر بھی گہری نظر تھی، انہوں نے امداد الفتاویٰ میں بھی بڑا تعاون کیا ہے۔

علامہ طاہر پٹنی کی کتاب ''المغنی'' کی بھی تحقیق وتعلیق کی ہے جو رجال کی اہم کتاب ہے، نیز فرق ضالہ کے رد میں بھی ان کی کئی کتابیں ہیں، رد قادیانیت پر بھی ان کا ایک قیمتی رسالہ ہے۔

میرا آخری سفر گذشتہ سال حضرت مولانا محمد طلحہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعزیت کے لیے سہارن پور کا ہوا، وہاں سے دارالعلوم دیوبند کی زیارت کے لیے مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی کی ضیافت میں دیوبند حاضر ہوا، مفتی سعید صاحب تشریف لائے، انہوں نے تفسیر ''ہدایت القرآن'' کا نسخہ مجھے دیا، دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی، میں نے عرض کیا کہ: اللہ تعالیٰ نے آپ سے حدیث شریف و قرآن کریم اور فقہ وفتاویٰ میں بھی بڑا کام لیا، میں نے ان کو اپنے مدرسہ جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ آنے کی دعوت بھی دی اور ان سے اپنے کتب خانہ کا ذکر کیا، میں نے عرض کیا کہ ہمارے یہاں ایک لاکھ کتابیں ہیں جن میں بہت سے قلمی مخطوطات بھی ہیں، ہمارے مولانا محمد یونس جون پوریؒ کئی مرتبہ ہمارے مدرسے میں تشریف لائے تھے اور وہ کتابوں کو دیکھتے ہی رہ گئے، مخطوطات کو بھی اور مطبوعات کو بھی، مفتی صاحب مرحوم نے بہت شوق سے سفر کرنے کا ارادہ کیا مگر مقدر سے اس کا موقع نہیں آیا۔

اس سے پہلے بنگلور میں مولانا مفتی شعیب اللہ خان کی دعوت پر جب ان کے مدرسہ میں بہت بڑا اجلاس ہوا تھا، اس میں انہوں نے بہت سے اکابر علماء کو مدعو کررکھا تھا، اس ناچیز کو بھی مدعو کیا تھا، ایک دن مغرب بعد پروگرام میں ناچیز کا بیان بخاری شریف کے افتتاح کا موضوع رکھا تھا، میں نے ۴۰ رمنٹ بیان کرکے اپنی بات ختم کردی، اس کے بعد مولانا مفتی سعید پالن پوری کا بیان تھا، زندگی کے تجارب، طلبہ وعلماء کو نصائح، ان کا یہ بیان بہت قیمتی تھا طلبہ کے لیے بھی اور علماء کے لیے بھی اور عامۃ الناس کے لیے بھی، اس میں سب سے اہم بات یہ کہی کہ ائمہ وسلف کے مسلک سے ہٹنا بہت خطرناک ہے، اس پر قائم رہیں، اس سے وابستہ رہنا یہ بڑی سعادت مندی کی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مرضی کہ ان کا وقت موعود آگیا، لیکن انہوں نے اپنی تالیفات کے ساتھ ہزاروں شاگردوں کی تعداد چھوڑی، جس سے ان کا سلسلۂ

فیض قیامت تک جاری رہے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مفتی صاحب مرحوم نے کثرت اولاد کے باوجود سب کو حافظ و عالم بنایا اور خود کفیل بنانے کی کوشش کی، اور خود مفتی صاحب درس وتدریس کی خدمت للہ فی اللہ انجام دیتے رہے، مدرسوں کی تنخواہ سے اپنے آپ کو مستغنی رکھا، یہ درحقیقت ان کے شیخ اول اور ہمارے استاذ وشیخ حضرت مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے دامن فیض سے وابستگی کی برکت تھی۔

امسال دہلی شاہ ولی اللہ ایوارڈ کے لیے اس ناچیز کے پاس خط آیا کہ آپ کسی کا نام اس کے لیے پیش کریں، اس ناچیز نے مولانا ہی کا نام پیش کیا تھا، اگرچہ وہ جائزہ کے خواہشمند نہیں تھے لیکن جائزہ کے لیے شرف کی بات تھی کہ ان جیسے آدمی کی طرف اس کا انتساب ہوجائے۔

اس قحط الرجال کے دور میں ایسے عالم ربانی محدث وفقیہ واصولی ومتکلم کا اٹھ جانا بہت بڑا خسارہ ہے، خاص طور پر دارالعلوم دیوبند جو ''ام المدارس'' ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کا بدل عطا فرمائے، امید ہے کہ مفتی صاحب کے شاگردوں میں ان کے بھائی صاحب اور ان کی اولاد انہی کے راستے پر چل کر روحانی وعلمی کمال حاصل کریں گے، واللہ الموفق۔

ان کے انتقال سے ۳/دن پیشتر اچانک اس ناچیز نے ان کی ٹیلیفون پر خیریت معلوم کرنی چاہی تو ان کے صاحبزادے نے بتلایا کہ والد صاحب بمبئی میں بیمار ہیں، تفصیل کا ذکر نہیں کیا تھا، لیکن مجھے معلوم ہوگیا تھا کہ شدید بیمار ہیں، دو دن کے بعد دوبارہ پھر فون کیا، اس کے دوسرے روز اس حادثہ کو سن کر بہت رنج ہوا اور اپنے مدرسہ کے طلبہ واساتذہ کو خصوصی ایصال ثواب کی تاکید کی اور خود بھی ایصال ثواب کا اہتمام کیا۔

مفتی صاحب کے لیے ایک بڑا سرمایہ ان کی اولاد ہیں، ماشاء اللہ ۹/ بیٹے بقید حیات ہیں، سب حافظ قرآن ہیں، اکثر عالم ہیں، اسی طرح ان کی سب بہویں حافظ قرآن ہیں، یہ سن کر رشک آیا، ہمارے ۶/اولاد نرینہ ہیں، افسوس کہ صرف ایک صاحب عالم ہوسکے اور ایک پوتے، ہمارے کاموں کو سنبھالنے والا کوئی نہیں نظر آرہا ہے، دیکھ کر رنج وغم ہورہا ہے، یہ بہت بڑی ابتلا ہے، دعا ہے کہ جامعہ اسلامیہ مظفر پور اور مرکز ابو الحسن ندوی کی تعمیر اور ہماری مؤلفات، اللہ کرے کہ یہ ہمارے لیے سرمایۂ آخرت بنے، اللہ تعالیٰ غیب سے انتظام فرمائے، آمین۔

اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کے درجات بلند فرمائے، اور ان کے علمی وروحانی فیض کو بقاودوام عطا فرمائے، اور ان کو جنۃ الفردوس میں جگہ دے، آمین۔

☆☆☆☆☆

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی جدید و دیدہ زیب طباعت

مکتوبات

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

جلد اول--تا--سوم

مرتب مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی

مکمل صفحات: ۱۲۵۰ قیمت: ۹۰۰/روپے

سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد یونس جونپوریؒ

مؤلف مولانا سید محمود حسنی ندوی

صفحات: ۵۵۰ قیمت: ۴۵۰/روپے

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

پوسٹ بکس نمبر ۹۳، ندوہ کیمپس، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فون نمبر: 0522-2741539، موبائل نمبر: 9889378176

ای میل: airpnadwa@gmail.com

اخلاق و دعوت

.....داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

پروفیسر محسن عثمانی ندوی

ہندوستان میں مسلمانوں کی صورت حال ایسے مرد بیمار کی طرح ہے جو وینٹلیٹر پر ہو، ایسے مرد بیمار کے لیے معالجین بہت سے نسخے تجویز کرتے ہیں لیکن عوام ہی نہیں خواص اور تعلیم یافتہ لوگ بھی انگشت بدنداں ہیں کہ کام کہاں سے شروع کیا جائے اور نقطہ آغاز کیا ہو اور کس طرح ہو کہ ہندوستان کا مرد بیمار صحتیاب ہوجائے، مسلمانوں کا مذہبی اور اخلاقی معیار بھی بلند کرنا ہے انہیں متحد اور منظم بھی کرنا ہے انہیں صحت منداور تندرست بھی رکھنا ہے، مسلمانوں کی تعلیم کی طرف بھی توجہ کرنی ہے، مسلمانوں کی اقتصادی حالت بھی درست کرنی ہے، مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان جو نفرت کی دیوار کھڑی ہوچکی ہے اسے گرانا بھی ضروری ہے، بردارانِ وطن کو اسلام اور مسلمانوں سے مانوس بھی کرنا ہے، دشمنوں کو اپنی کامیابی سے مایوس بھی کرنا ہے، ملت کے اطباء اور معالجین بار بار مرد بیمار کی نبض ٹٹول رہے ہیں اور مختلف قسم کے نسخے تجویز کر رہے ہیں، لیکن علاج نہیں شروع ہوتا ہے، یہ سارے نسخے اپنی اپنی جگہ درست ہیں لیکن سوالیہ نشان یہ ہے کہ یہ سارے کام کیسے شروع ہوں، ملک بہت بڑا ہے اور ملت اپنی تعداد اور افرادی قوت میں کئی ملکوں کے برابر ہے، اگر کام نہیں ہوا تو اندیشہ ہے کہ اسپین کی طرح یہاں بھی داستان ختم ہوجائے گی۔

مندرجہ بالا سارے کام بیک وقت پورے ملک میں شروع ہو سکتے ہیں، اگر مسلمان اپنی مسجدوں کو اپنے تعمیری کاموں کا مرکز بنالیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہونچ کر جس مسجد نبوی کی تعمیر کی تھی وہ صرف نماز کے لیے نہ تھی، وہ درسگاہ بھی تھی، وہاں مسلمانوں کے اجتماعی معاملات طے کیے جاتے تھے، مشاورت ہوتی تھی، وہ دارالقضاء بھی تھا، وہ عدل وانصاف کا مرکز بھی تھا، باہر سے وفود بھی آتے تھے اور وہاں ٹھہرتے تھے، وہ مہمان خانہ بھی تھا، آپ وہاں غیر مسلموں سے ملاقات بھی کرتے تھے، وہ مسجد مسلمانوں کی تمام سماجی سرگرمیوں کا مرکز تھی، مسلمانوں کے تمام مسائل کے حل کے لیے مسجد میں مشاورت کی جاتی تھی، لوگ وہاں جمع ہوتے، شادی اور نکاح کی تقریبات منعقد ہوتی تھیں، مسجدیں مسلمانوں کی اجتماعیت کا نشان ہوتی تھیں، اصلاً مسجد وہ مقام ہے جہاں مسلمانوں کی اجتماعیت نشو نما پاتی ہے، ترقی وتعمیر کے راستے کھلتے ہیں، بدقسمتی سے مسجدوں کا اجتماعی کردار ختم ہوگیا ہے، نماز کے ختم ہوتے ہی مسجدوں میں تالا لگ جاتا ہے، جماعت سے نماز کے ختم ہونے کے بعد کوئی مسافر آئے اور نماز پڑھنا چاہے تو اللہ کا گھر بند دیکھ کر واپس ہوجائے، ان تمام ملکوں میں جہاں استبدادی غیر جمہوری نظام قائم رہتا ہے حاکم اپنی رعیت سے ڈرتے ہیں، ان ملکوں میں فرض نماز کے بعد تھوڑی دیر کے اندر مسجدوں کے دروازے مقفل ہوجاتے ہیں، کسی راہگیر اور مسافر کو نماز پڑھنی ہو تو اسے ہر مسجد بند نظر آئے گی، وہ بیچارہ سڑک پر اور فٹ پاتھ پر نماز پڑھنے پر مجبور ہوگا اور باوضو نہیں ہے تو یہ بھی نہیں کر سکے گا، مسجد میں تالا بندی اور لاک ڈاؤن کا طریقہ کار قرآن کی آیت "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْہِ اسْمُہٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِہَا" کی تہدید کے دائرہ میں آتا ہے، یہ عذر لنگ ہے کہ چوریاں ہوتی ہیں، مسجد کے متولیوں کو اس آیت کی سنگینی اور کلام الٰہی کے جلال کا اندازہ ہی نہیں ہے، اگر وہ اس کا اندازہ کرتے تو کم از کم مسجد کا ایک حصہ اور طہارت خانہ ضرور کھلا رکھتے، آیت کا ترجمہ یہ ہے: "اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جس نے اللہ کی مسجدوں میں اللہ کے ذکر سے روکا اور مسجد کو ویران کرنے کی کوشش کی"۔ مسجد صرف فرض نمازوں کے لیے نہیں ہوتی ہے اس لیے ہوتی ہے کہ جو شخص جس وقت چاہے اس میں نماز پڑھے، جو متولی اس میں رکاوٹ ڈالے گا، اس کو خدمت نہیں بدخدمتی کی سزا ملے گی، اسی آیت میں ہے کہ اس کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب کی بشارت ہے۔

یادش بخیر! مولانا عبدالکریم پاریکھ مرحوم اس صورت حال سے کبیدہ خاطر ہوتے اور جب دیکھتے کہ مسجدوں کے امام اور متولی قرب وجوار کے غیر مسلموں کو مسجد کے احاطہ میں آنے سے اور اپنی ضرورت پوری کرنے سے روکتے ہیں تو وہ ناراض ہوتے اور کہتے کہ غیر مسلم جب بھی اسلام قبول کرتا ہے وہ پہلے مسلمانوں کے ماحول سے مانوس ہوتا ہے، اب مسجد کے ذمہ دار اسے مسجد سے مانوس ہی نہیں ہونے دیتے ہیں، جب غیر مسلم مانوس نہیں ہوں گے تو پھر مسلمان ضرور ان سے شکوہ سنج اور مایوس ہوں گے، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ محلّہ کے غیر مسلموں کو مسجدوں میں آنے اور جمعہ کا خطبہ سننے

اور نماز کو دیکھنے کی دعوت دی جاتی، افسوس کہ مسجدیں بے فیض ہوگئی ہیں اور جمعہ کے خطبات مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کے لیے کوئی افادیت نہیں رکھتے ہیں، یہ سب غلط بینی ہے منبر کی اور واعظان پیشہ ور کی، انہوں نے باہر کی دنیا کو اپنا حریف اور رقیب سمجھ لیا ہے، مساجد کے امام اور متولیوں نے مسجد کے تعمیری کردار کو بدل کر رکھ دیا ہے۔

لیکن اب ایک نئی تحریک سامنے آئی ہے، ایک نیا منظر نامہ ہے، ایک انقلابی تصور ہے جس کا نام ہے Masjid as a comunity centre یعنی مسجد کمیونٹی سنٹر کے طور پر یعنی مسجد نبوی کے تاریخی کردار کی تجدید، اس مسجد میں دینی اور دعوتی کام بھی ہوگا، درس قرآن اور درس حدیث بھی ہوگا، حالات حاضرہ کا تعارف بھی ہوگا، تعلیم کے فروغ کی کوششیں بھی کی جائیں گی، ہر طرح کی سماجی خدمات بھی انجام دی جائیں گی، صحت اور تندرستی کی طرف بھی توجہ دی جائے گی، بے روزگاروں کو روزگار مہیا کرنے کی طرف بھی توجہ دی جائے گی، مسجد کے گرد ونواح میں جتنے برادران وطن ہیں، ان سے روابط اور تعلقات قائم کیے جائیں گے، ان کو مسجد میں بلایا جائے گا، ان کو اسلام سے مانوس کرنے کا منظم کام کیا جائے گا یعنی مذہبی سماجی اور دعوتی کاموں کے لیے کمیٹیاں بنالی جائیں گی۔

ابھی حیدرآباد شہر میں یہ کام چند افراد ایک عالم دین کی سرپرستی میں انجام دے رہے ہیں اور ابھی دائرہ محدود ہے، لیکن جب یہ کام پھیلے گا اور یہ پودا برگ وبار لائے گا اور تناور درخت بن جائے گا اور ہندوستان کے کونے کونے تک اس کی شاخیں پھیلیں گی تو اسلام کا خزاں آلودہ درخت بہار آشنا ہوجائے گا، اگر ایک طرف مساجد کو مسجد نبوی کے طرز پر تمام اجتماعی تعلیمی دینی دعوتی سماجی سرگرمیوں کا مرکز بنالیا جائے، دوسری طرف دینی مدارس کا نصاب ایسا تیار کرلیا جائے کہ وہاں سے فارغین لسان قوم میں پوری قوم سے خطاب کرنے کے لائق بن جائیں اور برادرانِ وطن کے عقیدہ اور مذہب سے آشنا ہوں تو ملک میں انقلاب انگیز تبدیلی آسکتی ہے، لیکن اگر مسلمان صرف حکومت کی زیادتیوں کا ماتم کرتے رہے اور مثبت کاموں سے جی چراتے رہے تو ان کی قسمت میں ہمیشہ نوحہ گری آتی رہے گی اور وہ یہ شعر پڑھتے رہیں گے:

حیراں ہوں دل کو روؤں یا پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

ایک اہم اور خاص الخاص بات جو اس تحریک کی ہے، وہ یہ کہ اس کی قیات ایک عارف باللہ روحانی شخصیت کے ہاتھ میں ہے، عقل کے نقیب اور تصوف کے رقیب حضرات کے نزدیک یہ خصوصیت بے معنی ہوگی، وہ سمجھتے ہوں گے کہ صرف عقل کو خطاب کرنے اور دلیلوں کا انبار لگا دینے سے ہوا کا رخ بدل جائے گا اور شرک پر توحید غالب آجائے گا، یہ خیال درست نہیں۔ اگرچہ کہ عقل اور دلائل کی بھی اہمیت ہے اور اس دور میں لٹریچر کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے، یہ تاریخی پس منظر ذہن میں رہنا چاہیے کہ ہندوستان جیسے شرک کے بڑے قلعہ کو اسلام کی سرپرستی اور نگہبانی میں ڈالنے میں تصوف نے بڑا کردار ادا کیا ہے، اگر مسلمان حکمرانوں نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا ہوتا اور اسلام کے لیے دلوں کی استمالت کی کوشش کی ہوتی تو آج اجودھیا میں رام مندر تعمیر نہ ہوتا اور نہ بابری مسجد گرائی جاتی، آج بھی اپنی دعوت کو مؤثر اور دلنشین بنانے میں تزکیہ نفس اور روحانی طاقت کا حصول ضروری ہے، اصل کام یہ ہے کہ دعوت مخاطب کے دل پر اثر انداز ہوجائے ورنہ دماغ اکثر مضبوط دلائل کو بھی مسترد کردیتا ہے، لیکن دل اگر ایک بار مائل بہ اسلام ہوگیا تو دماغ کو بھی اس کی بات ماننی پڑتی ہے۔

علامہ اقبالؒ کا کہنا ہے کہ قبول اسلام کا تعلق جس قدر دل سے ہے دماغ سے نہیں، اکثر یہ ہوتا ہے کہ اسلام کی کوئی ادا ہوتی ہے جو کسی کے دل کو بھا جاتی ہے پھر اسکی زندگی میں انقلاب آجاتا ہے، علامہ اقبالؒ نے تفصیل اس طرح بیان کی ہے:

''قبول اسلام میں اصل چیز دل ہے جب دل ایک تبدیلی پر رضامند ہوجاتا ہے اور کسی بات پر قرار پکڑ لیتا ہے تو پھر باقی جسم اس کے سوا کچھ نہیں کرتا کہ وہ اسی تبدیلی کی تائید کے لیے وقف ہوجائے، ہمیں اسلام کے قدیم اور جدید مبلغوں میں ایک واضح فرق نظر آتا ہے، قدیم مبلغوں کا وار غیر مسلموں کے دلوں پر ہوتا تھا، وہ اپنی للّٰہیت، بے نفسی، خوش خلقی اور احسان ومروت کے جادو اثر اداؤں سے دلوں کو گرویدہ کرلیتے تھے اور اس طرح ہزار ہا لوگ از خود بغیر کسی بحث وتکرار کے ان کے رنگ میں رنگ جاتے تھے مگر جدید مبلغوں کا سارا زور دماغ کی تبدیلی پر صرف ہوتا ہے، وہ صداقت اسلام پر ایک دلیل دیتے ہیں، مقابلہ میں دوسری حجت غیر مسلم پیش کردیتے ہیں، اس پر بحث وتکرار شروع ہوجاتی ہے اور ہدایت ختم ہوجاتی ہے، مبلغین اسلام کو دلوں کو متاثر کرنے کے لیے نکلنا چاہیے یا دماغوں کو؟ ڈاکٹر اقبال نے مزید تفصیل کرتے ہوئے کہا کہ: ''اس کے فیصلہ کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ہم فطرت کی روش کی پیروی کریں، غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ فطرت اپنی فتوحات حاصل کرنے کے لیے اپنا تعلق ہمیشہ دلوں سے جوڑتی ہے، فطرت کھانے میں لذت پیدا کرتی

ہے، آپ اسے بے اختیار کھالیتے ہیں، اس وقت ایک بھی شخص دماغ سے نہیں پوچھتا کیا یہ کھانا طبی لحاظ سے مفید ہوگا۔ آپ کہیں جارہے ہوں، ناگہاں پھولوں کی ایک خوشنما زمین اور لب جو کا ایک حسین نظارہ سامنے آتا ہے، آپ وہاں بے اختیار بیٹھ جاتے ہیں، وہیں ٹھنڈی ہوا کا اک دلنواز جھونکا آتا ہے اور آپ کو میٹھی نیند سلا دیتا ہے، اس وقت کوئی بھی شخص دماغ سے نہیں پوچھتا کہ مجھے سونا چاہیے یا نہیں، مختصر یہ کہ فطرت اسی طرح ہر کام میں دلوں کو گرویدہ کرکے اپنا مطلب نکالتی ہے، وہ دماغوں کی طرف کبھی متوجہ نہیں ہوتی، اس لیے مبلغین اسلام کو چاہیے کہ اخلاق و محبت کی گیرائیوں سے دلوں کو اس طرح شکار کریں کہ ان میں سرکشی اور انکار کی سکت ہی باقی نہ رہے، اس لیے ضروری ہے کہ مبلغین اسلام اسلامی کیریکٹر کی عظمت سے واقف ہوں تاکہ سرکش قسم کے لوگ بھی اپنی گردن جھکا دیں''۔

علامہ اقبالؒ کا نقطۂ نظر قابل غور ہے، یہ ان ہی کا مصرعہ ہے ''جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ'' اسلامی اخلاق سے اور خدمت خلق کے کاموں سے اور اپنی روحانیت سے دلوں کو نرم کرنے کی ضرورت ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ لٹریچر اور عقلی دلیلیں بے مصرف ہیں لیکن دونوں طریقوں پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے، ہماری تاریخ میں عبرت کے سبق آموز واقعات موجود ہیں، تاتاریوں نے عراق کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی، لاکھوں مسلمانوں کو قتل کر دیا تھا لیکن یہی تاتاری قوم بعد میں چند درویشان باصفا کے ہاتھ پر مسلمان ہوگئی تھی:

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانہ سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانہ سے

☆☆☆☆☆

ہماری مطبوعات

☆ عمدہ کاغذ ☆ بہترین طباعت ☆ خوبصورت سرورق

نمبر شمار	اسمائے کتب	قیمت
۱	زعیمان لحرکۃ الاصلاح	70/=
۲	روداد چمن	200/=
۳	الصحافۃ العربیۃ	160/=
۴	تمرین الصرف	55/=
۵	رسالۃ التوحید	60/=
۶	دیوان الحماسۃ (اول)	165/=
۷	دیوان الحماسۃ (دوم)	165/=
۸	فتاویٰ ندوۃ العلماء (اول)	350/=
۹	فتاویٰ ندوۃ العلماء (دوم)	400/=
۱۰	فتاویٰ ندوۃ العلماء (سوم)	400/=
۱۱	مختار الشعر العربی (اول)	15/=
۱۲	مختار الشعر العربی (دوم)	18/=
۱۳	العقیدۃ السنیۃ	20/=
۱۴	تاریخ الادب العربی (الاسلامی)	125/=
۱۵	تاریخ الادب العربی (الجاھلی)	70/=
۱۶	مقدمہ شیخ عبدالحق دہلویؒ	50/=
۱۷	اسلام کی تعلیم	16/=
۱۸	تفہیم المنطق	150/=
۱۹	مبادی علم اصول الفقہ	20/=
۲۰	سوانح صدر یار جنگؒ	200/=
۲۱	مختار من صفۃ الصفوۃ	150/=
۲۲	شرح العقیدۃ الطحاویۃ	55/=
۲۳	اصول الشاشی	60/=
۲۴	علم اصول الفقہ	100/=
۲۵	حیات عبدالباریؒ	150/=
۲۶	تاریخ ندوۃ العلماء (اول)	170/=
۲۷	تاریخ ندوۃ العلماء (دوم)	180/=

ملنے کے پتے:

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ	9889378176
مکتبۂ اسلام، امین آباد، گوئن روڈ، لکھنؤ	9415912042
مکتبہ الفرقان، نظیر آباد، لکھنو	9936635816
مکتبہ علمیہ، شباب مارکیٹ ندوہ روڈ، لکھنؤ	9198621671
مکتبہ طوبیٰ، ندوی منزل، ندوہ روڈ، لکھنؤ	9005505629

ایک ضروری اعلان: بعض ناشرین کتب نے مجلس صحافت ونشریات کی کتابیں غیر قانونی طور پر طبع کرالی ہیں، اس لیے قارئین سے گذارش ہے کہ مجلس کی جملہ درسی وغیر درسی کتابیں درج بالا مکتبوں ہی سے خریدیں اور بذریعۂ ڈاک بھی طلب کریں، مادر علمی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ساتھ آپ کا یہ نہایت مخلصانہ تعاون ہوگا۔

ناشر:

مجلس صحافت ونشریات

ٹیگور مارگ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

تاریخ ہند

آر ایس ایس اور اُس کی سرگرمیاں

مولانا سید عنایت اللہ ندوی

آر ایس ایس ایک ہندوانتہا پسند تنظیم ہے جس کی جڑیں کافی پھیل چکی ہیں اور اس کے شعلے اب ہندوستان کے کونہ کونہ کو اپنی لپیٹ میں لیتے چلے جا رہے ہیں، ابھی اس کے قیام کو سو سال بھی پورے نہیں ہوئے پھر بھی وہ دنیا کی سب سے بڑی طاقتور منظّم ترین تنظیم بن چکی ہے، اس لیے اس کا جائزہ لینا انتہائی ضروری ہو چکا ہے۔

آر ایس ایس کا قیام ۱۹۲۵ء کو ہوا جبکہ ہندوستان میں آزادی کی تحریک عروج پر تھی، مہاتما گاندھی کی قیادت میں سارے باشندگانِ وطن متحد ہو کر انگریزوں کے خلاف ملک گیر اندولن چلا رہے تھے، ہندو مسلم اتحاد کے بے نظیر مناظر سے انگریزوں کے پاؤں تلے سے زمین کھسکتی نظر آ رہی تھی، اس اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لیے انگریزوں نے جہاں بہت ساری منصوبہ بندیاں کیں، ان میں سے ایک آر ایس ایس کا قیام بھی ہے، اس کے لیے انہوں نے ایک ۲۵ سالہ نوجوان کا انتخاب کیا جس کی پیدائش ناگپور میں ہوئی تھی، اور وہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے کلکتہ گیا تھا، کلکتہ میں تعلیم کے دوران اس کی پوری ذہن سازی کی گئی، مسلمانوں کے خلاف اس کے دل و دماغ میں زہر کوٹ کوٹ کر بھرا گیا اور اس کے لیے تیار کیا گیا کہ وہ خالص ہندوؤں کی ایسی تنظیم تیار کرے جو مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما ہو اور مسلمانوں کو ہندوستان سے نکال کر ہندوستان میں ہندوراشٹر قائم کرے، وہ نوجوان تھا کیشپ بلی رام ہیڈ گیوار، یہی وہ نوجوان تھا جس نے ناگپور آ کر آر ایس ایس کی بنیاد ڈالی، آر ایس ایس کے بنیادی مقاصد یہ قرار دیے گئے:

۱-تمام ہندو ذاتوں کو ایک پیلٹ فارم میں جمع کرنا۔

۲-ہندوؤں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کرنا۔

۳-ہندوستان کی سرزمین سے مسلمانوں کو نکال باہر کرنے کی منصوبہ بندی کرنا۔

۴-آزاد ہندوستان میں ہندوراشٹر قائم کرنا جس کی بنیاد منوسمرتی پر ہو۔

ان مقاصد کو ہندوتو کا نام دیا گیا پھر اس ہندوتو کو بروئے کار لانے کے لیے ہیڈ گیوار نے زبردست حکمت عملی اختیار کی، سب سے پہلے مرحلے میں ناگپور شہر میں تربیتی کیمپس بنائے گئے جن کو آر ایس ایس کی شاکھائیں کہا گیا، ان شاکھاؤں میں ۲۰/ سال سے ۳۰/ سال کے ہندو نوجوانوں کو داخل کر کے انکی تربیت اس انداز میں کی گئی کہ وہ ہندوتو کے نظریہ کے علمبردار بن جائیں، پھر آہستہ آہستہ ان شاکھاؤں کو ناگپور کے علاوہ مہاراشٹر کے دیگر شہروں میں پھیلایا گیا، نیز اسی طرح ملک کی دیگر ریاستوں میں بھی اس کی شاکھائیں پھیلتی گئیں، ان شاکھاؤں میں داخل ہونے والوں کو فوجی ٹریننگ نظم وضبط کے ساتھ ساتھ توڑ پھوڑ اور مار دھاڑ کے طریقے بھی سکھائے گئے، شاکھاؤں سے نکلنے والے افراد سیاست، صحافت، انتظامیہ وغیرہ مختلف شعبوں میں داخل ہوتے گئے اور ہر جگہ وہ ہندوتو کی ترویج کرنے لگے، اس کے ساتھ ساتھ آر ایس ایس نے ۷۰/ کے قریب ذیلی تنظیمیں بھی تشکیل کی ہیں جو آر ایس ایس کے ماتحت رہ کر مختلف میدانوں میں ہندوتو کو فروغ دینے کا کام منظّم ڈھنگ سے کرتی ہیں، ان ذیلی تنظیموں میں اہم ترین تنظیمیں یہ ہیں: ۱- بھارتیہ جن سنگھ، ۲-بجرنگ دل، ۳- وشو ہندو پریشد، ۴-اکھل بھارتیہ ودیارتھی پریشد (abvp)، ۵-بھارتیہ کسان سنگھ، ۶-بھارتیہ مزدور سنگھ، ۷-اکھل بھارتیہ شکشکھ، مہاسنگ وغیرہ وغیرہ، ان ساری تنظیموں کو سنگھ پریوار کہا جاتا ہے۔

بھارتیہ جن سنگھ اب بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) میں تبدیل ہو چکی ہے، یہ دراصل آر ایس ایس کی سیاسی جماعت ہے جو سیاسی میدان میں آر ایس ایس کے ایجنڈے اور ہندوتو کے فارمولے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مؤثر طور پر سرگرم ہے، یہ فی الحال دنیا کی سب سے بڑی سیاسی جماعت بن چکی ہے جس کے ممبران کی تعداد پندرہ کروڑ سے زیادہ ہو چکی ہے، کانگریس کو بے دخل کر کے ہندوستان کے اقتدار پر بھی اس نے قبضہ کر لیا ہے، اور مسلسل چھ سال سے اقتدار پر قابض ہے، ہندوراشٹر کے قیام کے لیے اپنے اقتدار کا بھرپور استعمال بھی کر رہی ہے، اس سلسلہ میں اس کی موجودہ سرگرمیوں کا جائزہ بعد میں لیں گے، ابھی صرف آر ایس ایس کی کچھ ذیلی تنظیموں کا مختصر تعارف پیش کر رہے ہیں۔

آر ایس ایس کی ایک اہم ذیلی تنظیم بجرنگ دل بھی ہے جو دراصل ایک فوجی یونٹ ہے، اس کے سرگرم ارکان کی تعداد تیس ۳۰/ لاکھ تک پہنچ چکی ہے،

بجرنگ دل کے ارکان ہر طرح کی فوجی، جنگی ٹریننگ سے آراستہ ہیں، کراٹا، جوڈو، لاٹھی، تلوار زنی، تیراندازی، پتھر بازی، بندوق فائرنگ، بمباری، بم سازی، توڑ پھوڑ، آگ زنی، ہر طرح کی جنگی صلاحیت سے مالا مال ہیں، پولیس اور فوج سے بھی ٹکرانے کی اہلیت رکھتے ہیں، یوپی اور دہلی کے حالیہ دنگوں میں انہوں نے اس کا عملی مظاہرہ کر کے بھی دکھادیا ہے، یہ تنظیم طاقت وقوت کا استعمال کر کے دہشت گردی کے ذریعہ آر ایس ایس کے ایجنڈے کو نافذ کرنے کے لیے کوشاں ہے۔

وشو ہندو پرشد (VHP) بھی آر ایس ایس کی ایک ذیلی تنظیم ہے، اسکے سرگرم کارکنوں کی تعداد ۷۰/ لاکھ کے قریب ہے، اس تنظیم کا اصل کام آر ایس ایس کے لیے رقوم کا فراہم کرنا ہے، اس کے ارکان اندرون ملک اور بیرون ملک میں بسے ہوئے مالدار ہندوؤں سے رابطہ کر کے ان کے دل ودماغ میں اس بات کو بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہندوؤں کو مسلمانوں سے بڑے خطرات لاحق ہیں، اس لیے آر ایس ایس کو مالی اعتبار سے مضبوط کیا جائے تاکہ وہ بہتر طریقہ سے ہندوؤں کی حفاظت کر سکے، نیز مؤثر طریقہ سے مسلمانوں کا صفایا کرنے میں اپنا کردار ادا کر سکے، اس مہم میں وی ایچ پی بہت حد تک کامیاب ہو چکی ہے، اس کی کوششوں سے آر ایس ایس دنیا کی مالدار ترین تنظیم بن چکی ہے اور اسکی شاکھائیں تیس سے زیادہ ملکوں میں قائم ہو چکی ہیں، اس کی بہت بڑی کامیابی بابری مسجد کو شہید کروانے اور اس کی جگہ پر مندر بنوانے کے لیے سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلہ کے سلسلہ میں ظاہر ہوگئی ہے، آر ایس ایس نے اس کام کی ذمہ داری وی ایچ پی کے سپرد کی تھی، جس میں اس نے مکمل کامیابی حاصل کر لی۔

آر ایس ایس کی ایک طاقتور ذیلی تنظیم اکھل بھارتیہ ودیارتھی پریشد (abvp) بھی ہے جو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے طلبہ کی تنظیم ہے، یہ تنظیم فی الحال ہندوستان کی سب سے بڑی طلبہ کی تنظیم بن چکی ہے جس کے ارکان کی تعداد ۳۸ لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے، ہندوستان کی ہر یونیورسٹی اور کالج میں یہ تنظیم فعال اور سرگرم ہے، ساتھ ہی بہت ساری دہشت گردانہ کاروائیوں میں بھی یہ ملوث رہتی ہے، خاص طور پر حالیہ دنوں میں جامعہ ملیہ اسلامیہ اور جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے طلبہ پر دہشت گردانہ حملوں میں واضح طور پر اس تنظیم کے ارکان ملوث رہے ہیں، اس تنظیم کے ذریعہ آر ایس ایس نوجوان طلبہ کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت وعداوت کا زہر گھولنے کا کام کرتی ہے۔

آر ایس ایس کی بنائی ہوئی ایک ذیلی تنظیم بھارتیہ کسان سنگھ بھی ہے جو کسانوں اور کاشتکاروں کی تنظیم ہے، اس تنظیم کے تحت ملک کے اسی لاکھ کسان جڑ چکے ہیں، اس تنظیم کے ذریعہ آر ایس ایس کسانوں میں ہندوتو نظریہ کو پھیلا رہی ہے، اسی طرح بھارتیہ مزدور سنگھ کے نام سے آر ایس ایس کی ایک ذیلی تنظیم ہے، ملک کے ایک کروڑ مزدور اس تنظیم کا حصہ بن چکے ہیں، اس کے ذریعہ مختلف کارخانوں اور فیکٹریوں میں کام کرنے والے مزدور میں بھی آر ایس ایس اپنا زہر پھیلا رہی ہے، مختلف اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھانے والے اساتذہ میں نفرت کی بیج بونے کے لیے آر ایس ایس نے ایک ذیلی تنظیم اکھل بھارتیہ شکشک مہاسنگھ کے نام سے بنائی ہے جس کے ارکان کی تعداد ۱۸/ لاکھ تک پہنچ چکی ہے، اس تنظیم کے ارکان کے ذریعہ طلبہ میں مسلمانوں کے خلاف زہر گھولنے کا کام کیا جارہا ہے۔

آر ایس ایس کی کل ۷۰/ ذیلی تنظیموں میں سے صرف ۷/ کا مختصر جائزہ یہاں پیش کیا گیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا دائرہ کتنا وسیع اور گہرا ہو چکا ہے۔

ان تنظیموں کے قیام کے ساتھ ساتھ آر ایس ایس نے پرائمری سے لے کر یونیورسٹی سطح تک بہت سارے تعلیمی ادارے بھی ملک بھر میں قائم کیے ہیں، اپنا ایک نصاب بھی بنایا ہے جس میں تاریخ کے اندر زبردست چھیڑ چھاڑ کی گئی ہے، ہندوستان کے اندر آٹھ سو سالہ مسلم دور کا نام تک نہیں لیا ہے، لیا بھی ہے تو انتہائی سیاہ باب کے طور پر، اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ مسلمان حملہ آوروں نے ہندوؤں کا قتل عام کروایا، انہیں زبردستی مسلمان بنایا، مندروں کو مسمار کیا، ظلم و بربریت کا ننگا ناچ کرتے رہے وغیرہ وغیرہ۔

تعلیمی اداروں کے اعتبار سے آر ایس ایس کے کئی نیٹ ورک کام کرتے ہیں:

۱- ایکل ودیالیہ کے نام سے آر ایس ایس نے دیہاتوں اور قبائلی علاقوں میں ۹۶/ ہزار ایسے مفت تعلیمی ادارے قائم کیے ہیں جن میں ۲۶/ لاکھ بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں، ان میں سے ہر اسکول میں صرف ایک ہی استاد رکھا گیا ہے جو چھوٹے چھوٹے بچوں کو قصوں، کہانیوں ڈراموں اور گیتوں کے ذریعہ ہندوتو کی تعلیم دیتا ہے اور آر ایس ایس کے نظریہ کی طرف مائل کرنے کے لیے انکی ذہن سازی کرتا ہے۔

۲- ودیا بھارتی یا سرسوتی شیشو مندر کے نام سے ملک بھر میں ۲۴/ ہزار ۳۹۶/ ایسے اسکول

آرایس ایس نے قائم کیے ہیں جن میں ۴ کروڑ ۵۰ لاکھ بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں ،ان اسکولوں میں پرائمری سے لے کر ہائی اسکول تک کی تعلیم دی جاتی ہے، ۹۳ ہزار اساتذہ ان میں تعلیم دیتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ اسی ادارہ کے تحت ۲۵۰ انٹرمیڈیٹ کالج، ۱۵ ٹریننگ کالج، ۱۲ ڈگری کالج اور اعلیٰ تعلیمی ادارے بھی کام کررہے ہیں، فی الحال آرایس ایس کا یہ تعلیمی نیٹ ورک ہندوستان کا سب سے بڑا پرائیویٹ اسکول نیٹ ورک بن چکا ہے، ان تعلیمی اداروں کو چلانے کے لیے رقوم برطانیہ، امریکہ، امارات وغیرہ میں مقیم ہندوؤں سے حاصل کی جاتی ہیں، اب جبکہ مختلف ریاستوں اور مرکز میں بی جے پی کی حکومتیں قائم ہوگئی ہیں تو ان حکومتوں کی طرف سے بھی ان اداروں کو رقوم فراہم کی جاتی ہیں۔

اب بات کرتے ہیں آرایس ایس اور اسکے سیاسی بازو بی جے پی کے اس دوسرے رخ کی جس کا تعلق تحریک آزادی اور ہندوستانی آئین سے ہے ،پہلی بات تو یہ ہے کہ آرایس ایس کا قیام چونکہ انگریزوں اور انگریزی حکومت کے اشارہ پر ہوا تھا، اس لیے آرایس ایس نے تحریک آزادی کی ہر سرگرمی سے اپنے آپ کو مکمل طور پر دور رکھا بلکہ بسا اوقات اس تحریک کی مخالفت اور انگریزی حکومت کی برملا تائید بھی کی جس کی واضح مثال یہ ہے کہ ۱۹۳۰ء میں جب مہاتما گاندھی کی طرف سے انگریزی حکومت کے خلاف ستیہ گرہ تحریک کا اعلان کیا تو آرایس ایس کے بانی وسربراہ ہیڈگیوار نے صاف لفظوں میں اس کی مخالفت کی اور ملک میں موجودہ آرایس ایس کے ورکروں کو اس تحریک میں شامل ہونے سے روکنے کے لیے باقاعدہ ایک سرکولر جاری کیا، چنانچہ جس آزادی کی تحریک میں ہندوستان کا بچہ بچہ شامل ہوا، اس سے آرایس ایس کے لوگوں نے اپنے آپ کو الگ رکھا، یہ دراصل انگریزوں کو خوش کرنے کی پالیسی تھی تاکہ انگریزی حکومت سے جو حمایت آرایس ایس کو مل رہی تھی وہ آئندہ بھی جاری رہے، اس طرح آرایس ایس نے آزادی کی تحریک سے ہمیشہ اپنے آپ کو پوری طرح الگ رکھا۔

اسی طرح ہندو مسلم دوقومی نظریہ کی آواز بھی پہلی مرتبہ آرایس ایس کی طرف سے آئی، آرایس ایس نظریہ کے ایک بہت بڑے علمبردار ساورکر نے ۱۹۳۷ء میں پہلی بار دوقومی نظریہ پیش کرتے ہوئے ہندوستان کو ہندو لینڈ اور مسلم لینڈ کی حیثیت سے دو حصوں میں تقسیم کرنے کی تجویز پیش کی، اس کے ۳ سال کے بعد مسلم لیگ نے ۱۹۴۰ء میں اسی تجویز کو قبول کرتے ہوئے مسلمانوں کے لیے الگ ملک پاکستان کا مطالبہ پیش کردیا، اس طرح ہندوستان کی تقسیم کی بنیاد آرایس ایس کی طرف سے ڈالی گی جس کی تکمیل مسلم لیگ نے کردی ۔مہاتما گاندھی اور پوری کانگریس پارٹی اسکے خلاف تھی، انگریز وہی چاہتے تھے جو آرایس ایس چاہتی تھی، چنانچہ آرایس ایس کی تجویز کے مطابق ہندوستان کی تقسیم عمل میں آگئی، ۱۹۴۷ء میں ہندوستان دو حصوں میں منقسم ہوکر آزاد ہوا، آزادی کے فوراً بعد آبادی کی منتقلی شروع ہوئی، ہندوستان سے مسلمان پاکستان کی طرف اور پاکستان سے ہندو ہندوستان کی طرف ہجرت کرنے لگے، اسی دوران آرایس ایس کے غنڈوں نے ملک بھر میں مسلمانوں کا قتل عام، غارت گری اور لوٹ مار شروع کردی، مہاجرین کو پاکستان کی طرف لے جانے والی ٹرین کے اندر گھس کر سارے مسلمانوں کو قتل کرڈالا، جب ٹرین پاکستان پہنچی تو پوری ٹرین مردہ لاشوں سے بھری ہوئی تھی، اس کے بعد نہرو لیاقت سمجھوتہ ہوا جس کے تحت یہ طے پایا کہ آبادی کی منتقلی کا سلسلہ روک دیا جائے، جو جہاں ہیں وہیں کا شہری بن کر رہیں گے لیکن آرایس ایس نے ملک کے اندر قتل وغارت گری کا سلسلہ جاری رکھا، ہزاروں مسلمان مختلف شہروں اور دیہاتوں میں روزانہ قتل ہوتے رہے ، مہاتما گاندھی نے قل وغارت گری کو روکنے کی اپیل کی، اس کا بھی کچھ اثر نہیں ہوا تو انہوں نے مون برت رکھا اور یہ اعلان کیا کہ جب تک یہ قتل وغارت گری کا سلسلہ نہیں رکتا میں نہ تو کچھ کھاؤں اور نہ پیوں گا، اس مون برت کے بعد مسلمانوں کے قتل عام کا سلسلہ رکا، اس طرح آرایس ایس کا پلان ناکام ہوگیا، اس کا پلان یہ تھا کہ اگر ملک کی تقسیم ہندو مسلم کی بنیاد پر ہوگی تو ہندوستان کی سرزمین سے سارے مسلمانوں کو نکال کر اسے مسلم مکت ملک بنایا جاسکتا ہے جس کو ہندو راشٹر بنانا ممکن ہوسکے گا، تقسیم تو ہوگئی لیکن نہرو لیاقت سمجھوتہ سے مسلمانوں کے نکالنے کا راستہ بند ہوگیا، اب آرایس ایس والوں نے قتل عام کے ذریعہ مسلمانوں کو ختم کرنے کی مہم چھیڑ دی لیکن گاندھی جی کے مون برت سے یہ مہم بھی ناکام ہوگئی، اب انہوں نے مہاتما گاندھی ہی کو قتل کردینے کا منصوبہ بنایا، اس کے لیے انہوں نے دو نوجوان ناتھورام گوڈسے اور نارائن آپٹے کو منتخب کیا، یہ دونوں پائجامہ کرتا ٹوپی لگا کر مسلمانوں کا بھیس بنا کر نئی دہلی میں واقع برلا ہاؤس پہنچے جہاں مہاتما گاندھی قیام پذیر تھے، ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو شام کے وقت جب وہ پرارتھنا کرنے جارہے تھے تو راستہ میں ناتھورام

گوڈسے سامنے آیا، اس نے مہاتما گاندھی کا پیر چھوا، پھر اٹھ کر ایک پستول سے مہاتما گاندھی کے سینے پر تین گولیاں داغ دیں ،موقع ہی پر گاندھی جی کا انتقال ہوگیا،ان دونوں کو موقع ہی پر لوگوں نے پکڑ لیا،اسلامی لباس سے پہلے مرحلہ پر لوگوں نے یہی سمجھا کہ یہ دونوں مسلمان ہیں، فوری طور پر ریڈیو سے خبر نشر ہوگئی کہ ایک مسلمان نے گاندھی جی کو قتل کردیا،اس خبر کے نشر ہوتے ہی بمبئی و دیگر شہروں میں پھر سے مسلمانوں کے خلاف حملے شروع ہوگئے ،اسی اثناء میں مہاراشٹر پونے کے ایک ہندو ممبر پارلیمنٹ وہاں آگئے اور انہوں نے گوڈسے کو دیکھا تو پہچان گئے اور انہوں نے کہا کہ یہ تو ناتھورام گوڈسے ہے جو میرے محلّہ کا ہے اور آر ایس ایس کا غنڈہ ہے، پھر تحقیق ہوئی تو بات صحیح نکلی، رات کے بارہ بجے وزیر اعظم نہرو ریڈیو پر آئے اور انہوں نے باضابطہ اعلان کیا کہ مہاتما گاندھی کا قاتل آر ایس ایس کا رکن ناتھورام گوڈسے ہے، اس کے بعد مسلمانوں پر حملے رکے، یہاں بھی آر ایس ایس کی ایک بہت بڑی سازش بے نقاب ہوئی اور ناکام ہوئی، آر ایس ایس کی سازش یہ تھی کہ گوڈسے اسلامی لباس میں گاندھی کو قتل کرکے فرار ہوجائے گا اور قاتل کی شناخت ایک مسلمان کی حیثیت سے ہوگی تو ہندوستان میں باپو کے چاہنے والے مسلمانوں کا چن چن کر قتل کرڈالیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ سازش ناکام کردی۔

مہاتما گاندھی کے قتل میں شامل ہونے کے پختہ ثبوت کی بنا پر ۲۶ر فروری ۱۹۴۸ء کو آر ایس ایس پر پابندی لگادی گئی ،آر ایس ایس کے کارکنوں اور لیڈروں کو گرفتار کرکے جیل میں ڈال دیا گیا لیکن اس وقت کے وزیر داخلہ سردار پٹیل نے ۱۲ر جولائی ۱۹۴۹ء کو آر ایس ایس سے پابندی ہٹالی، پابندی ہٹنے کے بعد اسکے سانے کارکنوں اور لیڈروں کو رہا کردیا گیا، اس کے بعد بہت تیزی کے ساتھ پورے ملک میں آر ایس ایس نے اپنے ہاتھ پیر پھیلانے شروع کردیے، اگر پابندی برقرار رکھی گئی ہوتی تو یہ دن دیکھنا نہ پڑتا جو آج دیکھا جارہا ہے ،ملک کو آزادی دلانے والے عظیم انسان باپو کے قتل میں واضح طور پر ملوث آر ایس ایس کو اس ملک کے اندر اپنی سرگرمیاں چلانے کی قطعی اجازت نہیں ہونی چاہیے تھی لیکن سردار پٹیل کی کرم فرمائی تھی کہ انہوں نے سارے کانگریسیوں کی مخالفت کے باوجود آر ایس ایس سے پابندی ہٹالی اسی لیے آر ایس ایس ان کو اپنا محسن اعظم مانتی ہے ،اسی احسان کے بدلہ میں بی جے پی نے انکا ایک دیوہیکل مجسمہ بنا کر کھڑا کردیا، جب پابندی لگی تھی اس وقت تو آر ایس ایس والے گوڈسے سے اپنی بے تعلقی کا اظہار کرتے نہیں تھکتے تھے لیکن آج وہ اسکو اپنا بہت بڑا ہیرو مانتے ہیں۔

۱۹۵۰ء ۲۶ر جنوری کو ملک کا آئین نافذ ہوا جس میں بھارت کو جمہوری سیکولر ملک قرار دیا گیا اور ملک کے لیے تین رنگوں والا جھنڈا متعین کیا گیا، آر ایس ایس والوں نے کبھی بھی دل سے نہ اس آئین کو تسلیم کیا اور نہ جھنڈا کو، ان کے نزدیک وہ فارمولہ ہی ہندوستان کا آئین بن سکتا ہے جسے وہ ہندوتو کا نام دیتے ہیں اور جس کی بنیاد منوسمرتی پر ہے اور ان کے نزدیک بھگوا جھنڈا ہی مقدس ہے جس کو وہ سینہ سے لگاتے ہیں چنانچہ عرصہ دراز تک انہوں نے ملک کے جھنڈے کو اپنے دفتروں میں کبھی بھی آویزاں نہیں کیا، صرف بھگوا جھنڈا ہی لہراتے رہے، اب چند دنوں سے بھگوا جھنڈے کے ساتھ ملک کے جھنڈے کو لہرانے لگے ہیں۔

ملک کے آئین میں یہاں بسنے والے ہندوؤں، مسلمانوں، عیسائیوں، سکھوں، بدھسٹوں، دلتوں، آدیواسیوں اور کمیونسٹوں کو مساوی حقوق دیے گئے ہیں جبکہ آر ایس ایس کا نعرہ ہے: ہندی ہندو ہندوستان، نہ رہے سکھ نہ مسلمان۔ اور اسکے ایجنڈے میں سرفہرست مسلمانوں کو ہندوستان سے نکالنا ہے، مسلمانوں کو ہندوستان سے نکال کر ہی وہ یہاں ہندو راشٹر قائم کرسکیں گے کیونکہ وہ مسلمانوں کو اس راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں ،مسلمانوں کو ہندوستان سے کس طرح نکالا جائے اس کے لیے آر ایس ایس نے اپنے ماہرین کی ایک ٹیم بنائی جس کے ذمہ یہ کام سونپا کہ ایسے ملکوں اور علاقوں کا جائزہ لیا جائے جہاں سیکڑوں سالوں تک مسلمانوں نے حکومت کی پھر وہاں سے کس طرح مسلمانوں کو چن چن کر نکال دیا گیا پھر اسی طریقہ کار کو ہندوستان میں استعمال کرے، یہاں سے مسلمانوں کے وجود پر تیشہ چلایا جاسکے ،اس فہرست میں سب سے پہلا خطہ یورپ کا ملک اسپین نظر آیا ،چنانچہ آر ایس ایس کے تجربہ کار ماہرین پر مشتمل ایک ٹیم باقاعدہ اسپین گئی اور بہت گہرائی سے ان تمام تفصیلات کو جمع کیا جن کو استعمال کرکے وہاں سے مسلمانوں کو مکمل صفایا کیا گیا تھا، جب انہوں نے محسوس کیا کہ اسپین کا تجربہ کامیاب نہیں ہوپائے گا تو پھر اسرائیل کا رخ کیا جہاں سے فلسطینی عربوں کو نکال کر یہودیوں نے اسرائیلی مملکت قائم کی ہے۔

(جاری)

☆☆☆☆☆

فکر آخرت

مولانا قاضی ولی اللہ ندوی اندوریؒ

● .....قاضی خالد ولی اللہ ندوی

مولانا مرحوم کی پیدائش ۱۹۳۳ء میں صوبہ مدھیہ پردیش کے قصبہ مناور ضلع دھار میں ہوئی، مرحوم کے جدامجد خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ایک عالم و بزرگ حضرت خواجہ شمس الدین بغدادیؒ بغداد سے جونپور تشریف لائے، ان کے پوتے حضرت خواجہ محمودؒ احمد آباد میں تھے، اس وقت مالوہ کے سلطان محمود خلجی تھے جو خواجہ محمود کو لے کر مالوہ آئے اور مالوہ میں عہدۂ قضا سپرد کی اور ہزاروں بیگھے زمین و باغات عنایت کی۔

حضرت مولانا قاضی معین اللہ ندویؒ (سابق نائب ناظم ندوۃ العلماء) آپ کے چچا زاد بھائی تھے، آپ نے اردو فارسی اور طب کی تعلیم والد ماجد حکیم قاضی قدرت اللہ صدیقیؒ (خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ) سے حاصل کی، تقسیم ہند کے وقت آپ مرکز نظام الدین میں مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کی خدمت میں تھے اور تقریباً دو ماہ بہت ہی خوف کے عالم میں گذارے، والد ماجد مرحوم بتاتے تھے کہ ہمارے سامنے قافلے گزرتے تھے جنہیں لوٹ لیا جاتا، لوٹ پاٹ، قتل وغارت گری کا ماحول تھا مگر اللہ کی قدرت کہ نظام الدین کی جگہ ان کو پانی نظر آتا تھا جس سے کوئی ادھر نہ آتا تھا۔

۱۹۴۸ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لیا اور عالمیت کی تعلیم مکمل کی اور لکھنؤ میں مقیم حکیم آغا اور مشہور حکیم شمس الدین سے استفادہ کیا، ۱۶ر اکتوبر ۱۹۷۳ء میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے بیعت اور غالباً ۱۹۹۵ء میں سید ظہور الحسن ندویؒ کے ساتھ سفر ندوہ میں حضرت مولاناؒ نے آپ کو خلافت عطا کی، عجیب واقعہ اس وقت ہوا کہ رات کو ندوہ پہنچنے کے بعد صبح کو جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت مولاناؒ نے آپ سے فرمایا کہ: آپ کے آنے سے قبل رات کو ہی آپ کی خلافت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

۱۹۶۲ء سے انتقال تک اندور کی ایک ہی مسجد میں امامت کی اور درس قرآن دیتے رہے، رمضان المبارک میں فجر کی نماز اور اس کے فوراً بعد موجودہ حالات کے لیے دو تین منٹ کی حدیث اور سبق آموز باتیں سننے کے لیے دور دور سے لوگ آتے تھے، کئی مواقع اچھے عہدے بیرون ممالک سے آپ کو ملے، مگر آپ نے اپنے علاقہ کے لیے سب کو موقوف کیا، آپ نے اپنی پوری زندگی اندور اور اطراف میں دین کی تعلیم و دعوت اور اصلاح معاشرہ کے لیے وقف کر رکھی تھی۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ، ان کے جانشین حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ، حضرت مفتی محمد ظہور ندویؒ اور مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ سے اور اپنے سارے معزز اساتذۂ کرام سے بہت گہرا تعلق تھا، سال میں ایک دو دفعہ حضرت مولاناؒ کی زیارت اور ندوہ کی یاد ان کو ندوہ کھینچ لاتی تھی، اطراف اور اپنی جائے پیدائش مناور میں ندوہ کا پرزور تعارف اور علماء ندوہ سے تعلق کے لیے علی الاعلان گزارش کرتے تھے۔

ندوہ سے فراغت کے بعد سے اس دنیا سے رخصت ہونے تک آپ ایک یادو مرتبہ لازماً ندوہ کا سفر کرتے تھے، سفر حج وعمرہ میں حرم شریف میں ہمیشہ باب الندوہ کے قریب ہی رہتے اور کسی سے ملنا ہوتا تو اسے باب الندوہ ہی بلاتے تھے، اس عمر میں بھی کئی سفر انھوں نے اندور سے لکھنؤ بس سے کیے، یہ ندوہ اور اہل ندوہ سے دلی لگاؤ کا ثبوت ہے۔

خاندانی طبیب ہونے کے ساتھ آپ کئی مدراس کے ممتحن بھی تھے، آپ کے کئی شاگرد ندوہ سے فارغ ہو کر دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں، حضرت مولاناؒ کی خدمت میں تحریک پیام انسانیت، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور حضرت مولاناؒ کے اندور اور اطراف کے سفروں میں دامے درمے سخنے تعاون گویا فرض سمجھتے تھے اور ہر موقع پر پیش پیش رہتے تھے، انتقال سے تقریباً ۱۵ر دن قبل تک آپ امامت کر رہے تھے، ۱۴ر اپریل ۲۰۲۰ء بروز منگل ۴ر بجے اس دار فانی سے کوچ کر گئے، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ نے اپنی عمر عزیز ہر طرح کے خیر کے حصول میں لگائی، طب میں مہارت حاصل کر کے خدمت خلق کی، اکابر امت سے ربط وتعلق رکھا، اور ہر لحاظ سے ان کا خیال بھی رکھا، دعوت وتبلیغ، وعظ ونصیحت، امامت وخطابت، علم وولایت، ہر میدان میں زور آزمائی کی اور سرخ رو ہوئے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے، اور پسماندگان، اعزہ واقارب، اور متعلقین ومتوسلین کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

قرب خداوندی

صلوٰۃ الاوّابین
گناہوں کا کفارہ، حصول برکات کا وسیلہ

خالد فیصل ندوی

مشروع نمازوں میں ''صلوٰۃ الاوّابین'' ایک اہم نفل نماز ہے، حدیث وآثار میں اس کا یہی نام ''صلوٰۃ الاوّابین'' ذکر ہوا ہے، حضرت محمد بن منکدر رعلیہ الرحمہ سے مروی حدیث مرسل میں یہ ارشادِ نبویؐ ہے کہ ''نماز پڑھنے والا آدمی، مغرب وعشاء کے درمیان، جو نماز پڑھتا ہے تو یہ نماز ''صلوٰۃ الاوّابین'' ہے۔ [جامع صغیر: ۲/ ۴۲۷] اور حضرت ابن عمرو بن عاصؓ سے مروی ہے کہ مغرب وعشاء کے درمیان جو (خلوت میں) نماز پڑھی جائے، وہ ''صلوٰۃ الاوّابین'' ہے [قیام اللیل: ۸۸] یہ نفل نماز، مغرب کی نماز کے بعد پڑھی جاتی ہے کیوں کہ اس نماز کا وقت، نماز مغرب کے بعد سے نماز عشاء کا وقت شروع ہونے تک ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول اثر میں ہے کہ ''صلوٰۃ الاوّابین کا وقت، اس وقت سے شروع ہوتا ہے، جب نمازی مغرب کی نماز پڑھ کر فارغ ہوجائے اور نماز عشاء کا وقت آنے تک رہتا ہے۔'' [مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۹۷۳]

''صلوٰۃ الاوّابین'' کی بڑی فضیلت وعظمت اور بڑی خیروبرکت، احادیث وآثار میں بیان ہوئی ہیں، ایک اثر میں ہے کہ اس نماز کے پڑھنے والوں کو حضرات ملائکہ اپنے خصوصی حفظ وامان میں لے لیتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول اثر میں ہے کہ: ''فرشتے ان لوگوں کو گھیرے میں لے لیتے ہیں جو مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھتے ہیں اور یہ نماز ''صلوٰۃ الاوّابین'' ہے۔'' [شرح السنہ بغوی: ۸۹۲] نیز ایک حدیث شریف میں ہے کہ اس نماز کا ثواب بارہ سال کی عبادت کے برابر ہے، حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''نماز مغرب کے بعد جو چھ رکعت (نفل نماز) پڑھے اور ان رکعتوں کے درمیان (ذکرواذکار کے سوا) کوئی دنیاوی بات نہ کرے تو اس نماز کے پڑھنے والے کو، ان چھ رکعتوں کا ثواب، بارہ سال کی عبادت کے برابر ملے گا۔'' [ترمذی: ۴۳۵] اسی طرح ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ یہ نماز تمام گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے، حضرت عمار بن یاسرؓ سے مروی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''نماز مغرب کے بعد جو چھ رکعات نفل نماز پڑھے گا تو اس کے گناہ معاف کردیے جائیں گے اگرچہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔'' [مجمع الزوائد: ۳۳۸۰] اور حضرت سالمؒ نے اپنے والد گرامی قدر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے مغرب کے بعد چھ رکعات نفل نماز پڑھی تو اس کے پچاس سال کے گناہ معاف ہوجائیں گے۔'' [نیل الاوطار: ۳/ ۵۵] ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ اس نماز کا اہتمام کرنے والا بندہ، اوّابین (انابت ورجوع الی اللہ کرنے والے، مطیع وفرماں بردار اور نیک وصالح بندوں) میں شمار ہوگا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے نماز مغرب کے بعد، چھ رکعات نفل نماز پڑھی تو اس بندہ کو ''اوّابین'' بندوں میں لکھا جائے گا اور قرآن کریم کی یہ آیتِ کریمہ "اِنَّہٗ کَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْراً" (بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ رجوع وانابت کرنے والوں کو بڑے معاف کرنے والے ہیں [بنی سرائیل/ ۲۵] تلاوت فرمائی۔ [البحرالرائق: ۲/ ۵۰] اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص نماز مغرب کے بعد یہ نماز پڑھے گا تو اس کا مرتبہ ''اعلیٰ علیین'' میں بلند کیا جائے گا۔'' [اتحاف السادۃ: ۳/ ۳۷۱]

ترغیب وتشویق پر مشتمل مذکورہ احادیث کے ساتھ ساتھ، اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک بھی احادیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے چنانچہ حضرت عمار بن یاسرؓ کا بیان ہے کہ: ''میں نے اپنے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب وعشاء کے درمیان چھ رکعت (نفل نماز) پڑھتے تھے۔'' [المعجم الاوسط للطبرانی: ۲۷۴۵] اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ: ''حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ نماز پڑھتے تھے۔'' [قیام اللیل: ۸۸] اور حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ: ''میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی، جب نماز ہوگئی تو آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نفل نماز پڑھنے لگے یہاں تک کہ نماز عشاء کا وقت آ گیا۔ [نیل الاوطار: ۳/۵۴] اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب اور عشاء کے درمیان (نفل) نماز پڑھا کرتے تھے۔'' [نیل الاوطار: ۳/۵۴] اور حضرت انسؓ سے ہی مروی ہے کہ: ''(بسا اوقات) آپ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز پڑھ کر نفل نماز پڑھتے رہتے، یہاں تک کہ نماز عشاء کی اذان ہوجاتی۔'' [کشف الغمہ: ۱۱۲]، فی الواقع متعدد احادیث مبارکہ میں اس نماز کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ بیان ہوا ہے، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی چھ رکعت [ترمذی، ابن خزیمہ] کبھی چار رکعت [نیل الاوطار]، کبھی بارہ رکعت [اتحاف السادہ: ۳/۳۷۱] اور کبھی بیس رکعت [ترمذی: ۴۳۵] نفل نماز پڑھا کرتے تھے، لیکن چھ رکعات والی روایت تعداد میں زیادہ ہیں اور یہی متداول اور رائج ہے۔

ان قولی اور عملی ترغیب وتحریض کا ہی ثمرہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان وحکم کے مطیع وتابع اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ ونمونہ کے شیدائی حضرات صحابۂ کرامؓ اس نماز کا اہتمام کیا کرتے تھے، حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ: ''حضرات صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت مغرب وعشاء کے درمیان یہ نماز پڑھا کرتی تھی۔'' [نیل الاوطار: ۳/۵۴]، اسی قدسی جماعت میں سے بالخصوص حضرت انسؓ بن مالکؓ [مصنف ابن شیبہ]، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ [قیام اللیل: ۸۸] اور حضرت عمار بن یاسرؓ [طبرانی اوسط] کا معمول مبارک، مذکورہ حدیث کی کتابوں میں منقول ہے، اس دور سعید کے بعد حضرات تابعین، تبع تابعین، دیگر اسلاف کرام کا اس پر برابر عمل رہا ہے اور مشائخ وصلحاء کے یہاں تو اس کا بڑا اہتمام پایا جاتا ہے، نیز بعض اسلاف کرام سے شب برأت میں بھی اس نماز کا پڑھنا منقول ہے۔ [اتحاف السادہ]

یہ عمل اور اہتمام اس حقیقت پر دال ہیں کہ ان اسلاف کرام کے نزدیک یہ نماز ''صلوٰۃ الاوّابین'' احادیث مبارکہ سے ثابت شدہ ہے، اگرچہ اس نماز کے سلسلہ میں وارد اکثر احادیث ضعیف ہیں لیکن کثرت روایات کی بناء پر یہ احادیث باہم ایک دوسرے سے قوت پا رہی ہیں، اس طرح ان احادیث کا درجہ ''حسن لغیرہ'' سے کم نہیں ہوسکتا ہے، مزید یہ کہ حضرت حذیفہؓ سے ایک حدیث شریف مروی ہے، جس کے الفاظ مبارک یہ ہیں کہ: ''میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں مغرب کی نماز پڑھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عشاء (کے وقت شروع ہونے) تک نفل نماز پڑھی۔'' [نسائی] اس حدیث شریف کے سلسلہ میں حضرت حافظ منذریؒ نے فرمایا ہے کہ: حضرت امام نسائیؒ نے اس حدیث کو ''سند جید'' کے ساتھ روایت کیا ہے [تحفۃ الاحوذی: ۴۳۵] اسی طرح بقولِ حضرت امام ترمذیؒ، حضرت ابوہریرہؓ سے مروی حدیث [ترمذی: ۴۳۵] بھی ضعیف ہے لیکن حضرت امام ابن خزیمہؒ نے اپنی ''صحیح ابن خزیمہ'' میں اس حدیث کی روایت بیان کی ہے اور ان کی روایت کو حضرت امام سیوطیؒ نے صحیح قرار دیا ہے [شمائل کبریٰ: ۶/۳۹۷] اور حضرت امام شوکانیؒ نے اس نماز کے سلسلہ میں وارد احادیث مبارکہ ''نیل الاوطار'' میں ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ: ''ان احادیث مبارکہ میں سے اکثر حدیثیں اگرچہ ضعیف ہیں مگر یہ حدیثیں باہم ایک دوسرے سے مل کر، خصوصاً فضائل اعمال میں قابل قبول ہیں۔ [تحفۃ الاحوذی]

یقیناً ''صلوٰۃ الاوّابین'' بہت ہی فضیلت و عظمت اور بڑی ہی برکت وسعادت والی مشروع، مسنون اور مستحب نماز ہے، اس کا اہتمام دونوں جہاں میں خیر کثیر کا باعث ہے، اس نماز کے پڑھنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ دو دو رکعت کرکے تین سلام سے یہ نماز پڑھی جائے چنانچہ اہل علم وفقہ کی یہی رائے ہے کہ یہ نماز تین سلام سے پڑھنا مستحب ہے [البحر الرائق: ۲/۵۰] اور کتاب الفتاویٰ میں ہے کہ: ''(حضرت ابوہریرہؓ سے مروی) یہی حدیث نماز اوّابین کے سلسلہ میں اصل ہے..... اس (حدیث شریف) سے اس بات کا بھی اشارہ ملتا ہے کہ دو دو رکعت پر سلام پھیر دے، کیونکہ اگر دو رکعت پر سلام نہ پھیرے تو درمیان میں گفتگو کا کوئی امکان ہی نہیں ہے، پھر ایسی صورت میں گفتگو سے منع کرنا ایک بے معنی بات ہوگی۔'' [کتاب الفتاویٰ: ۲/ ۳۶۸] فی الواقع یہ نماز دو دو رکعت کرکے ہی پڑھنا بہتر ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کی نماز دو دو رکعت ہی منقول ہے..... اللہ تبارک وتعالیٰ ہم تمام اہلِ ایمان کو اس اہم نماز کے اہتمام کی توفیق ارزانی فرمائیں، اس کی خیر وبرکت سے مالا مال کریں اور دونوں جہاں میں فلاح، نجات اور سعادت سے ہمکنار فرمائیں۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَعَافِنَا وَاَدْخِلْنَا الْجَنَّۃَ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ، آمِیْنَ!

☆☆☆☆☆

رسید کتب

تعارف وتبصرہ

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی

تاریخ احمدیہ

مؤلف: مولانا عبیداللہ اسعدی

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت وطنِ عزیز کی تحریکِ آزادی کی داغ بیل ڈالنے کے حوالہ سے خاص طور پر یاد کی جاتی ہے، انھوں نے جس طرح مردہ جسموں میں جذبۂ جاں نثاری کی روح پھونکی، اس میں ان کی سیرت وکردار کی غیر معمولی تاثیر کارفرما تھی؛ کیوں نہ ہو! ان کی زندگی کا ہر لمحہ، اور ان کے کردار کا ہر عمل جذبۂ ایمانی سے سرشار اور سیرت نبویؐ کا آئینہ تھا۔

سید صاحبؒ کے حالات وواقعاتِ زندگی پر مشتمل ''وقائع احمدی'' معروف کتاب تھی، اسی طرح کی ایک اور تصنیف جو فارسی زبان میں ہونے کی وجہ سے اردو داں طبقہ کے لیے ناقابلِ استفادہ تھی، اب مولانا عبید اللہ اسعدی، استاد جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ کے قلم سے اردو قالب میں ڈھلنے کے بعد منظرِ عام پر آئی ہے۔ کتاب کا مکمل نام ''منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ و الشہداء'' موسوم بہ ''تاریخ احمدیہ'' ہے۔ یہ دراصل سید جعفر علی نقوی بستویؒ کی تالیف ہے، جن کا شمار بالاکوٹ کے غازیوں میں ہوتا ہے، اور جنہیں سید صاحبؒ سے اجازت وخلافت بھی حاصل تھی، اور وہ ان کے منشی بھی ہوا کرتے تھے۔

''تاریخِ احمدیہ'' کا یہ ترجمہ دو جلدوں میں ہے۔ درمیانی سائز میں پہلی جلد ۳۱۹ اور دوسری ۱۷۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد میں تین ابواب ہیں، جن میں متعدد فصلیں ہیں۔ پہلا باب ''نسب نامہ وشجرہ نیز پیدائش وبچپن''، دوسرا ''فضائل حضرت امیر المؤمنین ...'' اور تیسرا ''اتباعِ سنت میں امتیاز'' کے عناوین سے معنون ہے۔ دوسری جلد میں سید صاحبؒ کے دعوتی، اصلاحی اور تبلیغی اسفار اور رائے بریلی میں قیام کا تذکرہ ہے، اور آخر میں ''قضیہ نصیر آباد یا مقدمۂ جہاد'' کے عنوان پر خاتمہ ہے۔

سید جعفر علی نقویؒ کی اس تحریر کو 'وقائع احمدی' سے جو مشابہت حاصل ہے، اس کی بنا پر اس کو اس کا 'توأم' (جڑواں) کہا جاسکتا ہے؛ کیونکہ دونوں ہی سوانح نگاری، تذکرہ نگاری یا سیرت نگاری کے بجائے وقائع نگاری کے طرز کی حامل ہیں۔ پوری کتاب سید صاحبؒ کے ایمان افروز حالات، ملفوظات اور کرامات پر مشتمل ہے، جو قاری کے وجدان اور شعور کو راست متاثر کرتے ہیں، اور ایسے دلچسپ ہیں کہ کتاب ہاتھ سے رکھنے کا دل نہیں چاہتا۔

مولانا عبید اللہ اسعدی نے اردو نسخہ کو اپنی لسانی مہارت سے تاثیر میں فارسی اصل سے قریب تر رکھنے کی کامیاب کوشش کی ہے؛ جس کے لیے اردو قاری ان کا ممنون رہے گا۔

مکتبہ احسان، ٹیگور مارگ، ڈالی گنج لکھنؤ نے عمدہ طباعت کے ساتھ شائع کی ہے۔

دیوبند - تاریخ و تہذیب کے آئینہ میں

مؤلف: ڈاکٹر عبید اقبال عاصم

اس میں شک نہیں کہ فی زمانہ 'دیوبند' ایشیا کی عظیم دینی درسگاہ دار العلوم دیوبند کی وجہ سے عالمی پیمانہ پر معروف ہے، تاہم یہ اک قدیم بستی ہے جس کی قدامت سے متعلق محققین کی مختلف آراء ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بستی ہزاروں سال سے آباد ہے۔ ماضی بعید میں اس کو دوسری وجوہ کی بنا پر بھی عالمی سطح پر نہ سہی لیکن شہرت حاصل رہی ہے۔

''دیوبند- تاریخ وتہذیب کے آئینہ میں'' نہ صرف یہ کہ دیوبند کی تاریخ کے حوالہ سے پچھلی تحقیقات کا ماحصل ہے؛ بلکہ اس میں مصنف نے معمر شخصیات کی یادداشت اور سرکاری محکمہ جات کے رکارڈ سے ذاتی استفادہ کرکے ماضی کی تاریخ کو حال سے جوڑ دیا ہے، جو یقیناً بڑی مشقت اور ہمت وحوصلہ کا کام ہے۔

اس کتاب میں دیوبند کے جملہ خصائص، احوال وکوائف، ادیان ومذاہب، تہذیب وتمدن، ماحول ومعاشرت، تعلیم وثقافت، صنعت وحرفت اور معیشت وزراعت سے متعلق مذہب وملت سے بالاتر ہوکر گفتگو کی گئی ہے۔ اس طرح یہ دیوبند کی اسلامی تاریخ نہیں؛ بلکہ عمومی تاریخ ہے۔

عبید اقبال عاصم صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس کاوش کے ذریعہ اپنے وطن کا حق ادا کرنے کی اچھی کوشش کی ہے، اور امید کی جاسکتی ہے کہ مستقبل میں ان کی یہ تحریر خاص طور پر جدید دیوبند کی تاریخ کے حوالہ سے ایک دستاویزی حیثیت کی حامل ہوگی۔ ان کا یہ تحقیقی کام اس لحاظ سے بھی مقبول ہوگا کہ وہ اردو زبان کا

اچھا ذوق رکھتے ہیں، اس کے علاوہ ان کے تحقیقی ذوق نے اس کے ذریعہ دیوبند کی تاریخ نویسی کو مزید استناد بھی بخشا ہے۔

کتاب کی طباعت بڑی دیدہ زیب ہے، اور یہ درمیانی سائز کے ۵۱۱/ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند سے شائع ہوکر قارئین کے لیے دستیاب ہے۔

مفتی فضیل الرحمان ہلال عثمانی- زندگی کے تابندہ نقوش

مرتب: طارق عمیر عثمانی

سابق مفتیٔ اعظم پنجاب اور رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ مولانا مفتی فضیل الرحمان ہلال عثمانی رحمہ اللہ کی شخصیت پر تحریر کردہ مشاہیر اہلِ قلم کے مضامین کو ان کے لائق فرزند جناب طارق عمیر عثمانی نے عمدہ ترتیب اور خوبصورت طباعت سے آراستہ کرکے قارئین کی خدمت میں پیش کیا ہے۔

یہ تالیف دراصل ماہنامہ ''دار السلام'' کی خصوصی ضخیم اشاعت ہے، جو مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ دینی و دعوتی ادارہ ''دار السلام اسلامی مرکز'' سے شائع ہوتا ہے۔

اس مجموعۂ مضامین میں ملک و بیرون کے علماء و مشائخ نے مفتی صاحبؒ کی شخصیت سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، اور دین و ملت کے لیے ان کی خدمات کو سراہا ہے۔

امید ہے کہ مجلّہ 'دار السلام' کی یہ اشاعت مفتی صاحبؒ کے اہلِ خانہ، خانوادہ، متعلقین و محبین اور تلامذہ و مستفیدین کی خاص توجہ کا مرکز بنے گی، اور پوری ملت کے سامنے ان کے علمی و دینی کارناموں کو اجاگر کرے گی۔

رابطہ کے لیے: ۹۸۱۳۵۹۹۹۰

حیاۃ القلوب

مؤلف: مولانا محمد قمر الزماں الٰہ آبادی

''حیاۃ القلوب فی ارضاء المحبوب'' ملقب بہ ''گلدستۂ ارواح'' حضرت مولانا محمد قمر الزمان الٰہ آبادی مدظلہ کی تالیف ہے، جو احسان و تزکیہ کے نقشبندی طریقہ کو واضح کرتی ہے، اور اسی طریقت کی ایک خاص دعا ''الٰہی مقصود من توئی و رضاء تو، محبت و معرفتِ خود بدہ'' کی توضیح و تشریح ہے، اور اس ضمن میں معرفت، محبت، توحید اور تصوف وغیرہ کے مفہوم کو ایمان افروز طریقہ سے واضح کیا گیا ہے، اسی طرح بہت سی قرآنی اصطلاحات، مثلاً ہدایت، ایمان و اسلام، رسالت، قیامت، تقدیر، عصمت، احسان، تقوی، اخلاص، خشوع، صبر، شکر، زہد، توکل، انابت، اخبات، سکینہ، قنوت وغیرہ کی تشریح بھی کی گئی ہے۔ اس میں جابہ بجا موضوع سے متعلق اہم دینی و علمی شخصیات کی وقیع تحریریں بھی شامل کی گئی ہیں، جن میں حکیم الامت حضرت تھانوی اور سید سلیمان ندوی رحمہما اللہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

مولانا مدظلہ کی یہ تالیف نہ صرف یہ کہ اپنے موضوع پر بھرپور مواد رکھتی؛ بلکہ وسیع دائرہ میں اس کا احاطہ بھی کرتی ہے۔ کتاب کے مصادر و مراجع پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ امت کے مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء و محققین کی تصنیفات سے استفادہ کیا گیا ہے، اور بڑی جانفشانی اور عرق ریزی کے ساتھ اس کی تالیف کی گئی ہے۔

مکتبہ دار المعارف، الہ آباد اور مکتبہ بزمِ قمر اکل کوا، مہاراشٹر سے شائع کی گئی ہے۔

☆☆☆☆☆

مولانا شفیق الرحمٰن ندویؒ کی اہلیہ محترمہ کی رحلت

سابق استاد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مصنف "الفقه الميسّر" مولانا شفیق الرحمٰن ندویؒ کی اہلیہ محترمہ اور مولانا طارق شفیق ندوی کی والدہ ماجدہ کا ۸/ جولائی ۲۰۲۰ء مطابق ۱۶/ ذیقعدہ ۱۴۴۱ھ بروز بدھ، دو بجے دن، ندوہ کالونی مہپت مئو لکھنؤ میں انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نماز جنازہ اسی روز رات دس بجے مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی نے پڑھائی، جس میں بڑی تعداد میں اہل تعلق نے شرکت کی، اور وہیں تدفین بھی عمل میں آئی۔

مرحومہ سیدہ خاتون بنت شیخ علیم الدین صدیقی زمیندار و خوشحال خانوادہ میں پیدا ہوئیں، ۱۹۶۱ء میں عقد نکاح ہوا تھا، ۱۹۷۹ء سے احاطہ ندوۃ العلماء میں قیام رہا، شوہر کی خدمت اور اولاد کی تربیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، مولانا کے انتقال کے بعد بہار چلی گئیں، پھر چھوٹے فرزند خالد شفیق ندوی کے پاس کچھ مدت رہیں، اس کے بعد بڑے فرزند طارق شفیق ندوی کے پاس گورکھپور میں مستقل رہیں۔

مرحومہ بڑی مہمان نواز، رشتہ داروں و اہل تعلق کا خیال رکھنے والی اور راہِ خدا میں خوب خرچ کرتی تھیں، گاؤں میں اپنے حصہ کی کاشت کی زمین کے اجناس اور باغ کے آم غریبوں میں تقسیم کردیا کرتی تھیں۔

اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے، اور جنت الفردوس میں مقام عطا فرمائے۔ ☆☆☆

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

.....مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال : اپنے عیوب کو چھپانا اور دوسروں کے عیوب کو برملا ظاہر کرنا اور میڈیا میں دینا یا فیس بک پر لکھ دینا شرعاً کیسا ہے؟

جواب : دوسروں کو ذلیل ورسوا کرنے کے لیے ان کے عیوب کو ظاہر کرنا، اچھالنا بڑا عیب اور سخت معصیت ہے، حدیث نبویؐ میں ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی عیب جوئی اور پردہ دری کرتا ہے اللہ پاک اس کو رسوا کرتا ہے اور اس کا عیب ظاہر کرتا ہے، اگر چہ وہ اپنے مکان میں چھپ کر عیب کا کام کرے۔[جمع الفوائد: ۲/ ۲۵۱] دوسری حدیث میں ہے کہ مسلمان کی آبروریزی بدترین سود ہے۔[مشکوٰۃ:۲/ ۴۲۹]

سوال : جو شخص اپنی بات کو اونچی رکھے اور دوسروں کی بات کو نیچی کرنے کی کوشش کرے وہ اسلام کی نظر میں کیسا ہے؟

جواب : اگر اپنی انا اور بڑا پن کو ثابت کرنے کے لیے ایسا کرے تو اسلام کی نظر میں یہ کبر ہے جو سنگین گناہ ہے، حدیث میں آتا ہے کہ اللہ جمیل ہے، جمال کو پسند کرتا ہے، حق کو قبول نہ کرنا اور لوگوں کو نیچا دکھانا کبر ہے:" الکبر بطر الحق وغمط الناس ".[مشکوٰۃ: ج ۲/ص ۴۳۳]

سوال : بعض احکام شرعی ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو بعض لوگ برا سمجھتے ہیں مثلاً سنت کے مطابق داڑھی رکھنے، پائجامہ ٹخنے سے اوپر رکھنے، سادہ انداز میں شادی بیاہ کرنے کو مسلمانوں کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ پسند نہیں کرتا تو کیا ان کا خیال کرتے ہوئے ان احکام سے بے توجہی برتی جاسکتی ہے؟

جواب : احکام شرعی پر عمل کرنے کو کم علم اور کم دین والے حقیر سمجھتے ہیں، اس میں ان کا نقصان ہے اور جو لوگوں کی پرواہ کیے بغیر احکام شرعی اور دین پر عمل کرتے ہیں، اللہ کے نزدیک ان کی عزت ہوگی دین سے بے بہرہ رہنے والوں کا خیال کرتے ہوئے احکام شرعی پر عمل نہ کرنا نادانی ہے، اس سے عزت حاصل نہیں ہوتی ہے، عزت تو دراصل اللہ کی طرف سے ملنے والی عزت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:"اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَھُمُ الْعِزَّۃَ فَاِنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعاً"[سورہ نساء/ ۱۳۹] (کیا ان کے پاس معزز ہونا چاہتے ہیں سو عزت تو اللہ کے قبضہ میں ہے)۔ بعض لوگ اپنی گفتگو میں دوسروں کے خلاف بولنے میں اس حد کو پہنچ جاتے ہیں کہ جو لوگ دنیا سے چلے گئے ان کی بھی برائی کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جنہوں نے کھلے طور پر برا کیا اور وہ دنیا سے چلے گئے تو ان کی برائی بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ غیبت نہیں ہے، کیا ایسے لوگوں کا یہ خیال درست ہے؟ شریعت اسلامی کیا کہتی ہے؟

جواب : جو لوگ برائی کرکے دنیا سے چلے گئے ان کی برائیوں کو بیان کرنا بھی غیبت ہے جو حرام ہے اور مردوں کی غیبت کا گناہ زندوں کی غیبت سے زیادہ سخت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو برا بھلا کہنے سے منع فرمایا اور ان کی اچھائیاں بیان کرنے کا حکم فرمایا ہے:" لاتسبوا الأموات فإنهم قد أفضوا الى ما قدموا الخ". [کتاب الاذکار للنووی: ص/ ۱۵۱]

سوال : ایک شخص نے دوسرے کی غیبت کی، اب اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ معافی مانگتا ہے لیکن جس کی غیبت کی تھی وہ معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہے، ایسی صورت میں تلافی کی کیا شکل ہوگی؟

جواب : تلافی کا اصل طریقہ ہے کہ جس کی غیبت کی تھی، اس سے معافی مانگے اور معاف نہ کرے تو ان کے ساتھ احسان اور الفت ومحبت کا معاملہ کرے، اس کے باوجود نہ معاف کرے تو توبہ واستغفار کرے، توبہ غیبت کی تلافی کردے گی۔[احیاء علوم الدین: ج ۳/ص ۱۳۳]

سوال: گنہگار توبہ کرلے تو گناہ معاف ہوتا ہے یا نہیں؟ توبہ کے بعد اس کو گنہگار کہنا کیسا ہے؟

جواب : توبہ ایسی چیز ہے جو گناہ کو ختم کردیتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے آخری نبیؐ کے ذریعہ اعلان فرماتا ہے: "قُلْ یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِھِمْ لَاتَقْنَطُوْا مِن رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعاً" (آپ کہہ دیجیے! اے مرے بندو، جنہوں نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرمادیں گے)۔[سورہ زمر] احادیث نبویؐ سے صراحت ملتی ہے کہ سچی توبہ تمام گناہوں کو ختم کردیتی ہے، توبہ کے بعد کسی کو گنہگار نہیں کہا جائے گا، اگر کوئی توبہ کے بعد کسی کو گناہ کا طعنہ دے تو حدیث میں آتا ہے کہ وہ خود اسی گناہ میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

Phone : (91-522) 2741231, 2741316, 2740151, Fax : 2741221
E-mail address : nadwa@sancharnet.in/ website : www.nadwatululam.org.

Postal Regd. No: S.S.P/LW/NP/63/2018-2020
R.N.I. No : UPURD/2001/06071
Published on 8th and 23rd of every month
Date of Posting : 10,12 / 25,27
Posted at R.M.S. Charbagh, Lucknow-04

Fortnightly

TAMEER-E-HAYAT

Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07

Ph. Off. : 0522-2740406
Office Time :07:30 am To 01:30 pm
Website : www.tameerehayat.com
Email : tameer1963@gmail.com
info@tameerehayat.com

Vol. No. 57 issue No.21 & 22

ISSN 2582-4619

10 & 25 SEPTEMBER 2020

RK JEWELLERS
Renowned Name in Jewellery

Haji Abdul Rauf Khan
Haji Mohd. Faheem Khan
Mohd. Owais Khan

Shop : Sarai Bans, Akbari Gate,
Chowk, Lucknow - 226003
Ph.: 0522-2267910
+91-9415108039

R. K. Clinic
Research CENTRE

R. K. CLINIC
& RESEARCH CENTRE
Dr. Mohammad Fahad Khan
M.D.

विशेषज्ञ पेट एवं उदर रोग, श्वास एवं चेस्ट रोग, एण्ड्रोक्रायोनोलोजी एवं मधुमेह रोग

24 HOURS EMERGENCY SERVICES AVAILABLE

G-1, Aman Apartments, Chaupatiyan, Opp. Power House, Lucknow
Ph.: 0522-2651950, 9415006983

IZHARSON PERFUMERS

روغنیات، عرقیات، کولر پرفیوم، کار پرفیوم، روم فریشنر، فلور پرفیوم، روح گلاب،
روح کیوڑہ، عرق گلاب، عرق کیوڑہ، اگربتی، ہربل پروڈکٹ

لکھنؤ کے قدیم مشہور و معروف صندل سے تیار کردہ

خوشبودار عطریات

ایک مرتبہ تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں

تیار کردہ

اظہارسن پرفیومرس

اکبری گیٹ چوک لکھنؤ

We accept debit and credit cards from all card associations

VISA Maestro MasterCard NET BANKING

PAY ONLINE

www.tameerehayat.com

Editor Shamsul Haq Nadwi,
Printed & Published by Athar Husain
On behalf Majlis-e-Sahafat-wa-Nashriyat at
Azad Printing Press Mahboob Building
Nazirabad, Lko. Ph: 9415100085

DSGN. BY: SAAD HAMDANI (MALEGAON, M.S.) @9860443783